

دوستی اسلام کی نظر میں

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ

مقدمہ

دوستی اسلام کی نظر میں
اسلام کا اصول ملاپ اور میل جول ہے
دوستی سے متعلق سوال و جواب

مقدمہ

عرض ناشر

اسلام دین فطرت ہے اس دین حنیف میں انسان کی تمام فطری ضروریات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ معاشرتی اور سماجی زندگی کی جانب رجحان بھی انسان کی فطری خواہشات میں سے ہے۔ معاشرتی زندگی کے استحکام سلامتی اور شیرازہ بندی کا ایک اہم عامل اس میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے آپسی تعلقات ایک دوسرے سے برتاؤ اور باہمی طرز عمل ہے۔ انہی سماجی اور معاشرتی روابط اور تعلقات میں سے ایک دوستی کا ناطہ بھی ہے جو انسان کی پوری زندگی پر گہری چھاپ چھوڑتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس مسئلے کے بارے میں بھی واضح ہدایات اور رہنمایاں فراہم کی گئی ہیں۔ ابتدائے شباب میں انسان ایک حد تک آزاد اور خود مختار زندگی کا آغاز کرتا ہے اور گھر محلے اور مدرسے سے باہر اپنے لئے دوستوں کا انتخاب کرتا ہے۔ لہذا اسے دوستی اور دوست کے انتخاب کے بارے میں رہنمائی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ زیر نظر کتاب میں آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے اسی موضوع کا احاطہ کیا ہے اور اس بارے میں قرآن کریم اور سنت معصومین (جو ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں) میں موجود گرانقدر نکات ہدایات اور فرامین کی روشنی میں گفتگو فرمائی ہے۔ آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ کا شمار ہمارے دور کے ان ممتاز علما میں ہوتا ہے جنہوں نے عالم انسانیت کو اسلام سے روشناس کرانے مذبذب اہل بیت کی ترویج و اشاعت قرآنی تعلیمات کی اساس پر مسلم نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اور اسلامی معاشروں کی ہدایت و رہنمائی کو اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا ہے۔ آپ کی فکر اور جدوجہد کا مرکزی نکتہ جدید ذہن کے سامنے اسلام کو زندہ متحرک اور زندگی کے تمام تقاضوں کا جواب دینے والے دین کے طور پر پیش کرنا ہے تاکہ نسل نو مسائل حیات کے حل کے لئے اس دین کے سوا کسی اور مکتب اور نظریہ حیات کا رخ نہ کرے۔ زیر نظر کتاب میں

بھی جناب کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ امید ہے جوانانِ عزیز کتاب کے مطالعے سے مستفیذ ہوں گے ہمیں ان کی آراء اور تبصروں کا انتظار رہے گا۔ والسلام

دوستی اسلام کی نظر میں

دین اسلام نے اس بات پر خاص توجہ دی ہے کہ انسانی تعلقات اور لوگوں کے درمیان قائم باہمی رشتے ایسی مضبوط اور پائدار بنیادوں پر قائم ہوں جو انسان کی عقل اسکے قلب اور اسکی پوری زندگی کو اپنے تابع کر لیں۔ کیونکہ انسانوں کے باہمی تعلقات انسانی زندگی کے بہت سے انفرادی اور اجتماعی اور داخلی اور خارجی پہلوئوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یعنی ان تعلقات میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ یہ الفت و محبت اور اخلاص کی ایک ایسی فضا ایجاد کردیتے ہیں کہ انسان اپنے جذبات و احساسات افکار و خیالات مختصر یہ کہ تمام رجحانات و میلانات میں ایک دوسرے کے اندر جذب ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ کیونکہ انسان مدنی الطبع (فطرتاً گروہ کی صورت میں رہنا پسند کرنے والا) ہے تنہا رہنا پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرے لہذا اسکے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کوئی اسکا مونس و مددگار ہمدم و ہمرز دوست ہو۔ اسی بنا پر اسلام نے قرآن کریم اور سنتِ معصومین میں دوستی و رفاقت کے متعلق گفتگو کی ہے اور اس بارے میں ضروری رہنمائی فرمائی ہے۔ ممکن ہے اعزہ و اقربا سے تعلقات اور ان کے ساتھ مل جل کر رہنا انسان کی روحانی پیاس نہ بجھاسکے اور وہ اپنوں کے درمیان بھی خود کو اجنبی اور تنہا محسوس کرے او اپنے بھی اسے پرانے نظر آئے۔ لہذا اسے کچھ ایسے لوگوں کی ضرورت ہو گی جو اسکی فکر اور روح سے قریب ہوں اور ممکن ہے یہ اسکے اقربا و اعزہ سے بھی زیادہ اسکے قریب ہو جائیں۔ اسی بارے میں امیر المومنین ۷ نے کیا خوبصورت جملہ فرمایا ہے کہ: رَبِّ اَحْلِلْ لَكَ لَمْ تَلِدْهُ اُمَّكَ مُمْكِنٌ بِهٖ تَمَّهَارِے بَهَائِوٖں مِیْنِ سَے كَچھ ایسے بھی ہوں جنہیں تمہاری ماں نے پیدا نہ کیا ہو۔

دوستی قرآن کی نظر میں اس گفتگو کی روشنی میں نیز ایک دوست کے دوسرے دوست پر بہت زیادہ اثر انداز ہونے کے پیش نظر پروردگار عالم نے انسان سے چاہا ہے کہ وہ دیکھ بھال کر اپنے دوست کا انتخاب کرے۔ اسی لئے خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں مثبت اور مفید دوستی کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی ہے اور منفی مخرب اور خطرناک دوستی کے بارے میں بھی انتباہ کیا ہے۔

مثبت دوستی

مثبت و مفید دوستی وہ ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری کی بنیاد پر استوار ہو۔ یہ ایسا رابطہ ہے جو انسان کے افکار و خیالات اسکے قلب اور اس کی پوری زندگی کو تقویت پہنچائے۔ اس طرح کہ وہ فکری تقویٰ کا حامل ہو اور سوائے حق کے اسکی کوئی فکر نہ ہو وہ قلبی تقویٰ کا حامل ہو اور سوائے خیر اور نیکی کے اسکا دل کسی اور چیز کے لئے نہ دھڑکے اسکی پوری حیات تقویٰ سے معمور ہو اور سوائے صراطِ مستقیم کے کسی اور راستے پر قدم نہ اٹھائے۔ اگر انسان متقی اور پرہیز گار ہو او اس کی زندگی پرہیزگاری و تقویٰ پر مبنی ہو تو ایسا شخص یقیناً اپنے دوست کا خیرخواہ ہوگا اسے ہدایت اور اسکی

راہنمائ کرے گا۔ کیونکہ دین ہے ہی نصیحت اور خیر خواہی ایسا فرد اپنے دوست کا وفادار بھی ہوگا کیونکہ وفاداری ایمان کے عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔ اگر انسان مومن و متقی ہو تو یقیناً اپنے دوست کی مدد کرے گا حتیٰ اس کو خود پر ترجیح دے گا۔

اسی بنا پر خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ دوستی تقوائے الہی کی بنیاد پر استوار ہو کیونکہ جن روابط و تعلقات کی بنیاد تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم ہو ان کا آغاز خدا اسکے رسول اور اسکے اولیاء کے لئے ہوتا ہے اور وہ اسلامی عقائد پر استوار ہوتے ہیں۔ لہذا جب تک انسان تقویٰ کے راستے پر گامزن ہو گا گویا اس نے خدا کی مضبوط رسی کو تھاما ہوا ہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی رسی مضبوطی سے تھامنے والا ایسے شخص کو کہا ہے جو نیکوکار اور اسکے سامنے تسلیم ہو؟ (۱) (پھر پروردگار عالم نے ایسی ہی دوستی کو قیامت تک باقی رہنے والی دوستی کہا ہے کیونکہ دنیا میں قائم ہونے والی ایسی دوستیاں جن کی بنیاد خدا پر ایمان اور تقویٰ و پرہیزگاری ہو وہ اپنا حقیقی مقام روز قیامت ہی دیکھ سکیں گی کیونکہ آخرت رضوانِ اکبر اور الہی نعمتوں کا گہر ہے۔ اور پہلی وہ چیز ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں یوں ارشاد ہوا ہے: الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ لَّا الْمُتَّقِينَ اس روز صاحبانِ تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے) (سورنہ زخرف ۴۳ آیت ۶۷) یعنی صرف اہل تقویٰ کی دوستی باقی اور جاویدانی ہوگی۔ کیونکہ متقین کی دوستی ناقابلِ زوال اور قوی بنیادوں کی حامل ہے جو نہ صرف موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی بلکہ جس طرح اس دنیا میں ان کے درمیان محبت ہو گی اسی طرح سے یہ محبت آخرت میں بھی ان کے درمیان باقی رہے گی۔

آخرت میں دوست

روز قیامت باایمان اور باتقویٰ دوستوں کے ہیشت میں مل بیٹھنے کے بارے میں خداوندِ عالم فرماتا ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ خِوَانًا عَلٰی سِرِّرٍ مُّتَقَابِلِينَ اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ (سورنہ حجر ۱۵ آیت ۴۷)

میدانِ حشر میں قدم رکھنے والے ان دوستوں کے دل میں کسی قسم کا کینہ و کدورت نہ ہوگی بلکہ ان کے دل محبت و عشقِ خدا سے پر ہوں گے اور وہ خدا سے اپنے اس عشق و محبت کی بنا پر تمام انسانوں کو دوست رکھیں گے چاہے وہ ان کے حامی ہوں یا مخالف۔ لہذا اگر کوئی واقعاً خدا پر ایمان رکھتا ہو۔ یعنی خدا کی محبت نے اس کے دل کو لبریز کر رکھا ہو تو پھر اس کے پاس کینہ کدورت اور نفرت کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔ یہ وہی بات ہے جس کی تعلیم ہمیں رسولِ کریم نے دی ہے۔ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دی ان کے متعلق آپ نے پروردگارِ عالم سے اس طرح شکوہ کیا اور دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَبْدِقَوْمِيْ فَنَہُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ پَرُوْدُ گَارِ ا! میری قوم کی ہدایت فرما، بلا شبہ یہ لوگ نہیں جانتے۔ اس گفتگو کا نچوڑ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں دوسروں کے لئے کینہ و کدورت نہیں اور جو بندگانِ الہی سے اس لئے محبت کرتے ہیں کیونکہ خدا سے محبت کرتے ہیں وہی حقیقی مومن ہیں۔ رسولِ اکرم فرماتے ہیں: اَلْخَلْقُ عِيَالٌ اللّٰهُ فَاحِبُّ الْخَلْقِ لِي اللّٰهُ مَنْ نَفَعَ عِيَالَ اللّٰهِ وَاَدْخَلَ عَلٰی بَيْتِ سُرُوْرًا تَمَامِ مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کے نزدیک محبوب ترین فرد وہ ہے جو خدا کے کنبے کو فائدہ پہنچائے اور ان کے گھروں میں سے کسی گھر میں خوشی داخل کرے۔ (اصولِ کافی ج ۳ ص ۱۷۰) ارشادِ الہی ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ خِوَانًا عَلٰی سِرِّرٍ مُّتَقَابِلِينَ اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائوں کی

طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ (سورۃ حجر ۱۵ آیت ۴۷) ایمانی دوست محبت بھرے ماحول میں ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوں گے سعادت مند زندگی بسر کر رہے ہوں گے اور عظیم الہی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے ورضوانم اللہ۔

کن لوگوں سے دوستی کریں؟

قرآنِ کریم ایک ایسے معاشرے کی تشکیل پر زور دیتا ہے جس کی بنیاد دوستی اور مل جل کے زندگی بسر کرنا ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کون لوگ دوستی اور معاشرت کے قابل ہیں؟ خداوندِ عالم رسولِ کریم سے فرماتا ہے: **وَاصِرِ نَفْسِكَ**۔۔۔

ہاں خداوندِ عالم براہِ راست پیغمبرِ اسلام سے خطاب فرما رہا ہے لیکن دراصل آنحضرت کے توسط سے تمام افرادِ بشر سے مخاطب ہے۔ یہ اندازِ خطاب لوگوں کے سامنے موضوع کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب رب العالمین اپنے حبیب اور مخلوقات میں سے اپنی محبوب ترین بستی سے ایک عمل کا خواستگار ہے اور اس سلسلے میں انہیں تکلیف اور مشقت برداشت کرنے کا حکم دے رہا ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ عام لوگوں سے یہ نہ چاہے؟ یوں یہ اندازِ خداوندِ عالم کے نزدیک اس مسئلے کی انتہائی اہمیت کا عکاس ہے۔ **فَرِمَانَ الْهَبِيِّ** ہے: **وَاصِرِ نَفْسِكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الدُّنْيَا وَلَا تَطْعَمَنْ مِنْ أَغْلَانِ قَلْبِهِ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبِعْ بِوَاهٍ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا** اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبردار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ تم زندگانی دنیا کی زینت کے طلبگار بن جاؤ اور کسی صورت اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہے اور اسکا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔ (سورۃ کہف ۱۸ آیت ۲۸)

عنی ایسے افراد سے دوستی کیجئے جن کی زندگی بس خدا کے لئے ہو وہ صرف اسی کی پرستش کرتے ہوں اور ان کا مقصد وحید خدا ہی ہو۔ کیونکہ ایسے افراد کی دوستی ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور وہ آپ سے اپنی دوستی کے بندھن کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے عہد و پیمانہ پر باقی رہتے ہیں۔

دوست کا کردار

پروردگارِ عالم نے دوزخ میں داخل ہوتے وقت اہل عذاب کی چیخ و پکار اور مدد کی التجا کا ذکر کرتے ہوئے دوست کی اہمیت اور اس کے کردار کے متعلق بیان کیا ہے۔ روزِ قیامت وہ کس طرح فریاد کر رہے ہوں گے؟ قرآن ان کی زبان میں کہتا ہے: **فَمَالْنَا مِنْ شَافِعِينَ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ** ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا بھی نہیں ہے اور نہ کوئی دل پسند دوست ہے۔ (سورۃ شعرا ۲۶ آیت ۱۰۰ - ۱۰۱) حضرت ابراہیم صادق پ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **لَقَدْ عَظُمَتْ مَنَزِلَةُ الصِّدِّيقِ حَتَّىٰ أَنْ أَمَلَ النَّارَ يَسْتَعِيثُونَ بِهِ وَيَدْعُونَ بِهِ فِي النَّارِ قَبْلَ الْقَرِيبِ الْحَمِيمِ قَالَ اللَّهُ مُخَيَّرًا عَنْهُمْ: فَمَالْنَا مِنْ شَافِعِينَ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ** دوست کا کردار اس درجہ اہم اور عظیم ہے کہ اہل عذاب بھی اپنے دوستوں کو مدد کے لئے بلائیں گے اور قبل اس کے کہ جہنم کے کھولتے پانی (حمیم) کو پئیں آتش جہنم میں انہیں پکاریں گے۔ پروردگارِ عالم ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: (وہ کہیں گے) نہ اب کوئی ہماری شفاعت کرنے والا ہے اور نہ ہی کوئی مخلص دوست۔ یہاں صدیق

حمیم سے مراد ایسا مخلص او رحیقی دوست ہے جو وفادار ہو اور دوست کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ یہاں تک کہ اہل عذاب بھی اپنے دائیں بائیں دیکھیں گے او راہنے کسی دوست کو تلاش کریں گے لیکن انہیں ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آئے گا۔ لہذا ایک دوسرے سے سوال کریں گے کہ میرا وہ فداکار دوست کہاں ہے؟ اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ غیر مومن اور غیر خداپرست شخص کے ساتھ ان کی دوستی کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہ تھی لہذا موت کے بعد باقی نہیں رہی۔ جی ہاں!

الْأَخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ

آج کے دن صاحبانِ تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔
(سورئہ زخرف ۴۳ آیت ۶۷)

برے دوست

پروردگار عالم نے برے اور نامناسب دوستوں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ایسے دوست ہیں جن کی دوستی پر لوگ روز قیامت شرمندہ ہوں گے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے: **وَيَوْمَ يَعْزُزُ الظَّالِمِ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي تَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سِيلاً** اور جس دن ظلم کرنے والا (مارے افسوس کے) اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کہ کاش میں بھی رسول کے ساتھ دین کا سیدھا راستہ اختیار کرتا۔ (سورئہ فرقان ۲۵ آیت ۲۷) یہاں ظالم سے مراد ایسا شخص ہے جس نے کفر گمراہی اور گناہ کی راہ اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ یہ شخص روز قیامت حسرت و اندوہ کے عالم میں کہے گا کہ کاش میں نے رسول کی دکھائی ہوئی راہ اختیار کی ہوتی۔ قرآن کریم مذکورہ بالا آیت میں آگے چل کر اس افسوس کرنے والے کی زبان میں کہتا ہے: **يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ تَخَذْ فُلَانًا خَلِيلاً** ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ (سورئہ فرقان ۲۵ آیت ۲۸)

اس سے سوال کیا جائے گا: تمہیں کیا ہوا ہے فلاں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟ وہ جواب میں کہے گا: **لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ ذِجَائِنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَدُولًا** اس نے ذکر (کلام الہی) آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو آدمی کو رسوا کرنے والا ہے ہی۔ (سورئہ فرقان ۲۵ آیت ۲۹)

خدا کی نصیحت اس کے پیغمبر کے ذریعے مجھ تک پہنچی جس نے میرے قلب و ذہن کو روشن کیا لیکن یہ شخص میرا دوست میرے پاس آیا اور اس نے مجھے کلام الہی سے دور کر دیا میری روح اور میری فکر کو فطری راستے سے ہٹا دیا او راہنی مطلوبہ جگہ پہنچانے کے بعد مجھے تنہا چھوڑ گیا۔ جی ہاں! شیطان چاہے وہ جنوں میں سے ہو چاہے انسانوں میں سے بالآخر وہ انسان کو تنہا چھوڑ دیگا۔ پروردگار عالم نے انسانوں کو فریب دینے کے لئے شیطان کے حیلوں و بہانوں کے متعلق فرمایا ہے: **كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ ذَقَالَ لِلْإِنْسَانِ أَكْفَرَ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ نَى بَرِيئٌ مِّنْكَ نَى أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ** کی مثال شیطان جیسی ہے کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر اختیار کر لے اور جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں عالمین کے پروردگار سے ڈرتا ہوں۔ (سورئہ حشر ۵۹ آیت ۱۶)

روز قیامت شیطان محشر میں کھڑا ہوگا لوگ آکر کہیں گے کہ اے پروردگار! شیطان نے ذمے داری قبول کرنے کے ساتھ ہمیں گمراہ کیا اور فریب دیا ہے۔ لیکن شیطان دوسرے طریقے سے اپنا دفاع کرے گا اور ساری کی ساری ذمے داری خود لوگوں کے سر ڈالے

گا: وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّورِ شَيْطَانُ تَمَامِ أُمُورِ كَا فِیصَلَهُ بُو جَانِے كِے بَعْدِ كِهَے گَا كِهَ اِنِّے تَم سَے بِالْكَلِّ بَرْحَقِّ وَعَدَهُ كِیَا تَهَا۔ (سورئہ ابراہیم ۴۱ آیت ۲۲)

اور كِهَے گَا: سَارِعُوا لِي مَغْفِرَةً مِّن رَّبِّكُمْ وَحَنَّةٍ عَرَضَهَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ اور اِنِّے پُروردگَار كِی مَغْفِرَتِ اور اس جَنَّت كِی طَرَفِ سَبَقَتِ كُرُو جِس كِی وَسَعَتِ زَمِينِ وِ اَسْمَانِ كِے بَرَابَرِ بَے اور اسَے اِن صَاحِبَانِ تَقْوَى كِے لَے مَہِيَا كِیَا گِیَا بَے۔ (سورئہ آلِ عَمْرَانِ ۱۳۳ آیت ۲)

اور كِهَے گَا: اِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقَّ وَ وَعَدْتُمْ فَاخْلَفْتُمْ اللَّهُ نَے تَم سَے بِالْكَلِّ بَرْحَقِّ وَعَدَهُ كِیَا تَهَا اور مِیں نَے بَہِي اِيكِّ وَعَدَهُ كِیَا تَهَا پَہَرِ مِیں نَے اِنِّے وَعَدَے كِی مَخَالَفَتِ كِی۔ (سورئہ ابراہیم ۱۴ آیت ۲۲)

كِيونكہ مِیں تُو چَاہتا ہِي يہ تہَا كہ تَم سَے جھوٹَا وَعَدَهُ كُرُوں تَمہَارَے دِلُوں مِیں وَسُوَسَہ پيدا كُرُوں تَمہَارَے سَامَنَے اچھَاٹُوں كُو بَرَاؤِ اور بَرَاؤُوں كُو اچھَاٹِ بِنَاكِرِ پيش كُرُوں اس لَے كہ تَم سَے مِيرِی دَشْمَنِي كِی اَبْتَدَا تُو تَمہَارَے پَاپِ اَدَمِ اور تَمہَارِی مَائِ جَوَا ہِي سَے بُو چَكِي بَے۔ اَللّٰهُ تَعَالَى نَے فَرْمَايَا بَے: اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوًّا فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا نَمَّا يَدْعُوْكُمْ لِيَكُوْنُوْا مِّنْ اَصْحَابِ السَّعِيْرَةِ شَكِّ شَيْطَانِ تَمہَارَا دَشْمَنِ بَے تَم بَہِي اسَے اِنَّا دَشْمَنِ سَمَجھُو۔ وِہ اِنِّے گِرُوہ كُو صَرَفِ اسِ بَاتِ كِی طَرَفِ دَعْوَتِ دِيْتَا بَے كہ وَہ سَبِ كِے سَبِ جَهَنْمِي بِنِ جَائِ۔ (سورئہ فَاطِرِ ۵۳ آیت ۶) دَشْمَنِ دَشْمَنِ كِے سَاثَہ كَسِ طَرَحِ پيش اَتَا بَے؟ كِیَا دَشْمَنِ دَشْمَنِ كَا خَيْرِ خَوَاہ بُوْتَا بَے يَا اسِ سَے كِيْنَه وَ عِدَاوَتِ رَكھْتَا بَے؟ پُروردگَارِ عَالَمِ اِنِّی كِتَابِ قُرْآنِ مَجِيدِ مِیں شَيْطَانِ كِے قَوْلِ كُو نَقْلِ كَرْتَا بَے (وہ كِهَے گَا)۔ وَمَا كَانَ لِي عَلَيكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اور مِيرَا تَمہَارَے اُوپرِ كُوئِ زورِ بَہِي نَہِيں تَهَا۔ (سورئہ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲) اور پُروردگَارِ عَالَمِ نَے شَيْطَانِ كُو خَطَابِ كَرَكِے كَہَا: اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا اِلَّا مَن اَتْبَعَكَ مِّنَ الْغَاوِينَ مِيرَے بِنْدُوں پَر تِيرَا كُوئِ اَخْتِيَارِ نَہِيں بَے سَوَاے اِن گَمْرَابُوں كِے جُو تِيرِی پِيرُوِي كَرْنِے لَگِيں۔ (سورئہ حَجَرِ ۱۵ آیت ۴۲) فَلَا تَلْمُزُوْنِي تُو اَب تَم مَجھَے مَلَامَتِ نَه كُرُو (سورئہ ابراہیم ۱۴ آیت ۲۲) اسِ وَقتِ شَيْطَانِ كِهَے گَا كہ پُروردگَارِ كِی طَرَفِ سَے اسِ قَدْرِ اَتْمَامِ حِجَتِ كَرِ دِيْنِے كِے بَعْدِ مَجھَے مَلَامَتِ نَه كُرُو۔ اسِ لَے كہ مِیں نَے پَہَلِے پِي پُروردگَارِ عَالَمِ سَے عَرَضِ كَرِ دِيَا تَهَا: فِيمَا اَعُوْبَتِي لَافَعَدْتِ لَہِم صِرَاطِكِ الْمَسْتَقِيمِ ثُمَّ لَا تِيْنَهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شِْمَانِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمِ الشَّاكِرِينَ پس جِس طَرَحِ تُو نَے مَجھَے گَمْرَاہِ كِیَا بَے مِیں تِيرَے سِيْدَہَے رَاسْتِے پَر بِيٹھُ جَاؤُوں گَا۔ اسكِے بَعْدِ سَامَنَے پِيچھَے اور دَائِيں بَائِيں سَے اَنُوں گَا اور تُو دِيكھَے گَا كہ اَكْثَرِيْتِ شَكْرگَزَارِ نَہِيں۔ (سورئہ اَعْرَافِ ۷ آیت ۱۶ ۱۷)

لہذا مِيرَا مَقْصَدِ اور اَرَادَہِ پَہَلِے ہِي سَے وَاضِحِ تَهَا اور رَمِيں نَے تَمہَارَے پَاپِ اَدَمِ سَے كِيْنَه او رَاَنْتِقَامِ كِی بِنَا پَر تَمہِيں فَرِيْبِ دِيْنِے كَا فِیصَلَه كِیَا بَے۔ وَلَوْمُوا اَنْفُسَكُمْ پس مِيرَے بَجَائِے خُوْدِ اِنِّے اَبِ كُو مَلَامَتِ كُرُو۔ پُروردگَارِ عَالَمِ نَے تَمہِيں عَقْلِ دِي تَمہَارَے لَے اِنِّے پِيغْمِبِ بَہِيجَے تَمہِيں اَرَادَہِ وِ اَخْتِيَارِ اور حَقِّ اَنْتِخَابِ بَخْشَا سَعَادَتِ اور شَقَاوَتِ كِے رَاسْتِے تَمہَارَے سَامَنَے وَاضِحِ كَے پَہَرِ بَہِي تَم نَے كِيُوں جَنَّتِ كَا رَاسْتَه نَہِيں اِنِّيَا اور جَهَنْمِ كَا رَاسْتَه مَنْتِخَبِ كِیَا؟ جِيكہ تَم كُو عِلْمِ تَهَا كہ مِيرَا گِرُوہ جَهَنْمِيُوں كَا گِرُوہ بَے: مَا اَنَّا يَمْصُرْكُمْ نَه مِیں تَمہَارِی مَدَدِ كُو پَہنچِ سَكْتَا بُوں وَمَا اَنْتُمْ يَمْصُرْخِي او رِنَه تَم مِيرِی مَدَدِ كُو پَہنچِ سَكْتِے بُو۔ وَہَاں بَرِ اِيكِّ كُو اِنِّی پڑِي بُو گِي۔ اِنِّي كَفَرْتِ يَمَا اَشْرَكْتُمُوْنِ مِیں تُو پَہَلِے ہِي سَے اسِ بَاتِ سَے مَنكِرِ بُوں كہ تَم نَے مَجھَے اسِ كَا شَرِيكِ بِنَا دِيَا۔ (سورئہ ابراہیم ۱۴ آیت ۲۲)

اقوالِ معصومین میں دوستی

ہم نے جو کچھ عرض کیا اس سے واضح ہے کہ یہ آیت (سورئہ ابراہیم کی آیت ۲۲) بہت سی احادیث کے معنی کو اجاگر کرتی ہے۔ رسولِ اسلام کی ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت فرماتے ہیں: **الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدَكُمْ إِلَى مَنْ يَخَالِلُ بِرِ شَخْصِ** اپنے دوست کی عادات و اطوار اپناتا ہے لہذا تم میں سے ہر ایک کو نظر رکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ یعنی دوستی اور میل جول انسان پر اثر انداز ہوتی ہے اور اسی کے زیر اثر وہ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کا دین اپنا لیتا ہے۔ لہذا جب بھی کسی سے دوستی کرنا چاہیں تو اس شخص کے دین کی تحقیق کر لیں اور جب تک مطمئن نہ ہوجائیں کہ مدمقابل آپ کو آپ کے عقیدے اور دین سے منحرف نہ کرے گا اور نہ صرف آپ کو آپ کے دین سے گمراہ نہ کرے گا بلکہ آپ کے دین میں تقویت کا بھی باعث ہو گا اس وقت تک اسکی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا ایک ذریعہ ان کے دوست بھی ہیں۔ لہذا اگر آپ کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ فیصلہ کس بنیاد اور کیسویٹی پر کریں گے؟ حضرت سلیمان بن داؤد فرماتے ہیں: **لَا تَحْكُمُوا عَلَى رَجُلٍ بِشَيْئٍ حَتَّى تَنْظُرُوا لِي مَنْ يَصَاحِبُكُمُ شَخْصٍ** کے بارے میں اس وقت تک فیصلہ نہ دو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ کس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ یہ وہی معروف مثل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: **تم بتائو کس کے دوست ہو تاکہ ہم بتائیں کہ تم کون ہو۔** اور حقیقت بھی یہی ہے۔ انسان کو اس کے ہم فکر، ہم دل اور ہمدم سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص اپنے ہم رنگ سے مانوس ہوتا ہے: **ایک دوسری حدیث میں پیغمبر اسلام سے نقل ہوا ہے: خْتَبِرُوا النَّاسَ يَأْخُذُ بِهْمِ لُغُوگِ كِي شَنَاخْتِ اِن كِي دُوسْتُوں كِي ذُرِيَعِي كُرُو۔** اخدان خدین کی جمع ہے خدین یعنی ہم راز دوست یا راز محفوظ رکھنے والا دوست لہذا جو کوئی بھی اپنے لئے کسی کو ہماراز دوست کے بطور منتخب کرتا ہے، درحقیقت اس سے فکری و روحی مماثلت رکھتا ہے۔ اور یہ احادیث اس بات کی شدید تاکید کر رہی ہے کہ دوستی مشکلات کا سبب اور خطرناک بھی ہوسکتی ہے۔ واضح سی بات ہے کہ جب انسان کسی کی جانب کشش محسوس کرتا ہے اور اسکا شیفتہ ہوتا ہے تو دراصل اسکی صفات اور عادات و اطوار کا شیفتہ ہوتا ہے اسکی شخصیت کے عناصر سامنے والے فرد کی شخصیت کے عناصر سے نزدیک ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: **الْأَنفُوسُ أَشْكَالٌ فَمَا تَشَاكَلَتْ مِنْهَا اتَّفَقَ وَالنَّاسُ إِلَى أَشْكَالِهِمْ** آمیل نفوس مختلف اور طرح طرح کی شکلوں کے ہوتے ہیں ایک جیسی شکلیں آپس میں مل جاتی ہیں اور لوگ اپنی شکلوں کی جانب زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: **فَسَادَ الْأَخْلَاقِ مَعَاشِرَةُ السُّفَهَاءِ وَصَلَحَ الْأَخْلَاقِ بِمَنَافِسَةِ الْعُقَلَاءِ وَالْخَلْقُ أَشْكَالٌ فَكُلُّ يَعْْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ وَالنَّاسُ إِخْوَانٌ فَمَنْ كَانَتْ إِخْوَتُهُ فِي غَيْرِ ذَاتِ اللَّهِ فَإِنَّهَا تَحُورُ عِدَاوَةً وَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: الْأَخْلَاقُ يَوْمئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ** احمقوں اور بے وقوفوں کے ساتھ ہم نشینی اخلاقی بگاڑ پیدا کرتی ہے اور عقلمندوں کے ساتھ میل جول اخلاقی سدھار کا موجب ہوتا ہے۔ لوگ طرح طرح کے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے جیسے شخص کے ساتھ گامزن ہے۔ لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اب جس کی برادری بھی خدا کے لئے نہ ہو دشمنی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور یہی پروردگار عالم کے اس قول کے معنی ہیں کہ: **اس دن سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے سوائے متقین کے۔** قرآن کریم نے حساب اور عذاب کے موقع پر برے دوست کی کیفیت کے متعلق اس طرح فرمایا ہے: **قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمَصْدُوقِينَ آئِدًا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ؕ إِنَّا لَمَدِينُونَ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ مَطْلُوعُونَ قَاطِعَ قَرَاهِ فِي سَوَائِ الْجَحِيمِ قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كِدْتَ لَتُرْدِينَ أَنْهِيں مِيں سِيءِي اِيك كِهْنِيءِي وَا لآ كِهِيءِي گَا كِه دُنْيَا مِيں**

میرا ایک دوست تھا اور مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔ بھلا جب ہم مرکز مٹی اور بڈی ہو جائیں گے تو ہمیں ہمارے عمل کا بدلہ دیا جائے گا (پھر بہشت میں اپنے ساتھیوں سے کہے گا) کیا تم لوگ بھی اسے دیکھو گے۔ یہ کہہ کر نگاہ ڈالی تو اسے بیچ جہنم میں پڑا ہوا دیکھا (یہ دیکھ کر بے ساختہ) کہے گا کہ خدا کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی تباہ کر دیتا۔ (سورئہ صافات ۲۷ آیت ۵۱ ۵۶)

تو ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے اور ایسے دوست بنانے چاہئیں جو اہل بہشت میں سے ہوں جنہیں لوگ ان کے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے پہچانتے ہوں اہل کفر و عذاب میں سے نہ ہوں۔ جب انسان روز قیامت اپنے برے دوست کو دیکھے گا تو پشیمان ہوگا اور ایسے دوست کی دوستی پر کفِ افسوس ملے گا۔ قرآن مجید نے اس لمحے کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَيَسِّرَ الْقَرِينُكَ مَا كَاشَ مِيرَةَ اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا یہ تو بڑا بدترین ساتھی نکلا۔ (سورئہ زخرف ۴۳ آیت ۲۸) اے کاش میں کبھی نہ تجھ سے ملا ہوتا میرے اور تیرے درمیان اس قدر فاصلہ ہوتا کہ کبھی ہماری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ تونے مجھ میں کیسے کیسے وسوسے پیدا کئے مجھے گمراہ کیا اور ایسے راستے پر ڈال دیا جس کا انجام دوزخ میں ڈالے جانے کی صورت میں برآمد ہوا۔ پروردگار عالم برے دوست کی کیفیت کے متعلق اس طرح فرماتا ہے: جب انسان کے عمل کا حساب و کتاب ہو رہا ہوگا اور جب وہ پروردگار عالم کی عدالت میں اس کے سامنے کھڑا ہوگا تو اپنے اعمالِ بد کے لئے عذر پیش کرے گا بہانے تلاش کرے گا اور اپنی گمراہی کا الزام اپنے دوست کے سر ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطَّغَيْنَا وَلَكِنْ كَانُوا فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدِيَ وَقَدْ قَدِمْتُ لَيْكُمْ يَالْوَعِيدِ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَى وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ يَوْمَ نَقُولُ لِحَبِئْتُمْ بَلْ أَمْتَلَاتِ وَتَقُولُ بَلْ مِّنْ مَّزِيدٍ اس وقت اس کا ساتھی کہے گا پروردگار! ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود گمراہی میں بہت دور چلا گیا تھا۔ اس پر خدا فرمائے گا: ہمارے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تو تم کو پہلے ہی عذاب کی خبر دے چکا تھا میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی اور نہ میں بندوں پر ذرہ برابر ظلم کیا کرتا ہوں۔ اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر چکی ہے تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور مل سکتا ہے۔ (سورئہ ق ۵۰ آیت ۲۷ ۳۰)

دوسرے مقام پر اللہ رب العزت ان برے احباب کے متعلق (جو اس پر مسلط ہیں اور اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں) اس طرح فرماتا ہے: وَقِيضْنَا لَهُمْ قُرْنًا قَرِينًا لَّهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ أَوْ رَمَ نَشِينُونَ کو مقرر کیا کہ جنہوں نے جو کچھ ان کے سامنے تھا اور جو کچھ ان کے پیچھے تھا اسے ان کی نظروں میں خوبصورت بنا کر پیش کیا تھا۔ (سورئہ فصلت ۴۱ آیت ۲۵)

صحیح ہے کہ پروردگار عالم نے اس آیت میں برے دوستوں کے ذریعے لوگوں کی گمراہی کا قصور وار خود انہی لوگوں کو قرار دیا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا نے برے دوستوں کو ان پر زبردستی مسلط کر دیا تھا بلکہ خود انہوں نے اپنے ارادے اور اختیار سے برے دوستوں کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح پروردگار عالم نے ہمیں یہ اختیار و ارادہ دیا ہے کہ ہم برے دوستوں کی جگہ اچھے اور صحیح دوستوں کا انتخاب کریں اور سیدھا راستہ طے کرنے میں ان سے مدد لیں۔

دوست کی آزمائش

حضرت امام صادق ۛ نے کچھ ایسی علامات بتائی ہیں جن کے ذریعے دوستوں کی آزمائش کی جاسکتی ہے۔ من غضب عليك من خوانك ثلاث مرات فلم يقل فيك شراً فاتخذة لنفسك صديقاً

تمہارے بھانوں میں سے جو کوئی تم سے تین مرتبہ ناراض ہو اس کے باوجود تمہارے بارے میں کوئی بری بات نہ کہے تو اسے اپنا دوست بنا لو۔ بعض اوقات دوستوں کے درمیان اختلاف اور مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوست دوسرے دوست سے ناراض ہو جاتا ہے لیکن ان میں محبت اسی طرح باقی رہتی ہے اور ایک دوسرے کی برائی نہیں کرتے۔ لہذا اگر یہی کیفیت تین مرتبہ پیش آئے تو اپنے ساتھی کو ایک متوازن شخصیت کا حامل اور دوستی کے قابل سمجھو۔ کیونکہ ایسا شخص اخلاقی قواعد کی پابندی کرے گا اور اسے اس کا غصہ تمہارے متعلق برا پہلا کہنے پر آمادہ نہ کر سکے گا۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت سے وارد ہوا ہے: لَاتَسْمَ رَجُلًا صَدِيقًا سِيَمَةً مَعْرُوفَةً حَتَّى تَخْتَبِرَهُ بِثَلَاثٍ فَتَنْظُرَ غَضَبَهُ يَخْرُجُهُ مِنَ الْحَقِّ إِلَى الْبَاطِلِ وَعِنْدَ الدِّينَارِ وَالْدِرْهَمِ وَحَتَّى تُسَافِرَ مَعَهُ كَسَىٰ كَوِ اس وقت تک اپنا جگری دوست نہ کہو اور ایک دوست کی حیثیت سے اسکا تعارف نہ کرائو جب تک تین چیزوں سے اس کا امتحان نہ کرلو۔ دیکھو کہ:

۱۔ اس کا غصہ اسے حق سے نکال کر باطل کی طرف تو نہیں لے جاتا۔

۲۔ درہم و دینار (روپے پیسے کے معاملے) میں کیسا ہے؟ (خیانت کا مرتکب ہوتا ہے یا تمہارے اموال کو بطور امانت محفوظ رکھتا ہے؟ روپیہ پیسہ اسے تمہاری دوستی سے زیادہ تو عزیز نہیں۔)

۳۔ اس کے ساتھ سفر کرو (کیونکہ بعض اوقات سفر کی صعوبتیں انسان کو تعادل اور توازن سے خارج کردیتی ہیں۔ لہذا اگر اس موقع پر اس میں توازن باقی رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مضبوط اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر چلنے والا شخص ہے)۔

مطلوب دوست

معصومین کی احادیث میں ان لوگوں کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے دوستی کی جاسکتی ہے اور جنہیں بطور دوست منتخب کیا جاسکتا ہے۔ حضرت امام صادق ۛ فرماتے ہیں: اصحب من تتزين به ولا تصحب من يتزين بك ایسے شخص کو دوست بناؤ جو تمہاری زینت بنے اور ایسے شخص کو دوست نہ بناؤ جو (تم سے سوء استفادہ کرے) تمہارے ذریعے اپنی شان بنائے (اور بالا خر تمہاری آبرو کم ہو جائے)۔ یعنی ہم نشینی اور دوستی کے لئے مفید شخص کا انتخاب کرو تاکہ اس دوران اس کے علم و اخلاق سے استفادہ کر سکو۔ ایسے شخص کو دوستی کے لئے منتخب نہ کرو جس سے مستفید نہ ہو سکو اور وہ تمہیں اپنا دوست سمجھے جبکہ وہ تمہارا ہم پلہ نہ ہو بلکہ تم سے کمتر ہو۔ حضرت امام حسن ۛ نے اپنی عمر کے آخری لمحات میں جنادہ کو نصیحت فرمائی: اصحب من إذا صحبته زانك وإذا خدمته صانك وإذا أردت منه معونة أعانك وإن قلت صدق قولك وإن صلت شد صولك وإن مددت يدك يفضلك مدباً وإن بدت عنك ثلمة سدباً وإن رأيت منك حسنة عدباً وإن سألته أعطاك وإن سكت عنه ابتدأك وإن نزلت إحدى الملمات به ساوأك دوستی اور ہم نشینی کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرو جس کی دوستی تمہارے لئے زینت کا باعث ہو اور جب اس کی خدمت کرو تو وہ تمہارا خیال رکھے اگر اس سے مدد چاہو تو وہ تمہاری مدد کرے اگر کوئی بات کہو تو تمہاری تصدیق کرے اگر کوئی حملہ کرو تو وہ تمہارے حملے کو شدت بخشے اگر باتہ بڑھا کر اس سے کوئی چیز طلب

کرو تو تمہاری مدد کرے اگر تم کوئی نقصان اٹھائو تو وہ اس کی تلافی کرے اگر تم اس کے حق میں نیکی اور بھلائی کرو تو اس کا لحاظ رکھے اگر اس سے کوئی چیز مانگو تو تمہیں عطا کرے، اگر (حیا کی وجہ سے) خاموش رہو تو مدد اور بخشش میں پیش قدم ہو اور اگر کسی مصیبت سے دوچار ہو جاؤ تو وہ بھی خود کو مصیبت میں مبتلا سمجھے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: **أَكْثِرِ الصَّوَابَ وَالصَّلَاحَ فِي صَحْبَةِ أُولَى النَّهْيِ وَالْأَلْبَابِ** اپنی خوش نصیبی اور شائستگی کو صاحبانِ خرد کی ہم نشینی سے بڑھائو۔ مزید فرماتے ہیں: **صَاحِبِ الْحِكْمَاءِ (صَاحِبَانَ حِكْمَتِ كِي صَحْبَتِ اخْتِيَارِ كِرْوِ)** تاکہ ان کی حکمت سے فائدہ اٹھائو۔ **وَ جَالِسِ الْحَمَاءِ (بَرْدِيَارِ اور حَلِيمِ اِفْرَادِ كِ بِمِ نَشِيْنِ بِنُو)** بردبار افراد وہ ہیں جن کے قلوب میں وسعت پائی جاتی ہے۔ **وَ اَعْرَضِ عَنِ الدُّنْيَا تَسْكُنُ جَنَّةَ الْمَأْوَى (دُنْيَا سِے مَنهُ مَوْرُلُو تَاكِه بِيْهِيْتِ بَرِيْ مِيْنِ جِكْمِ حَاصِلِ كِرْسِكُو)**۔ دوسرے مقام پر حضرت علیؑ نے فرماتے ہیں: **عَجِبْتُ لِمَنْ يَرْغِبُ فِي التَّكْتُرِ مِنَ الْاَصْحَابِ كَيْفَ لَا يَصْحَبُ الْعُلَمَاءَ الْاَلْبَاءَ الْاَتَقِيَاءَ الَّذِيْنَ يَغْنِمُ فَضَائِلَهُمْ وَتَهْدِيْهِمْ عُلُوْمُهُمْ وَتَزِيْنُهُمْ صَحْبَتُهُمْ**۔ مجھے تعجب ہے ایسے شخص پر جو دوستوں کی کثرت کا خواہشمند ہوتا ہے آخر وہ کیوں صاحبانِ علم و خرد اور اہل تقویٰ کی صحبت اختیار نہیں کرتا ہے جن کے فضائل اس کے لئے غنیمت ہوں گے جن کے علوم اسے مہذب بنائیں گے نیز ان کی ہم نشینی اس کے لئے زینت بخش ہو گی۔ **مَنْ دَعَا كَ اِلَى الدَّارِ الْبَاقِيَةِ وَاَعَانَكَ عَلَى الْعَمَلِ فَهُوَ الصَّدِيقُ الشَّفِيقُ** جو بھی تمہیں دار بقا (آخرت) کی طرف بلائے اور میدانِ عمل میں تمہارا معاون و مددگار ہو وہ تمہارا مہربان اور حقیقی دوست ہے۔ کیونکہ ایسا ہی دوست تمہیں آخرت کی یاد دلانے والا خدا پسند کاموں میں تمہاری مدد کرنے والا اور تمہیں نجات اور اچھے راستے کی طرف لے جانے والا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: **قَارَنَ اَبْلَ الْخَيْرِ تَكُنْ مِنْهُمْ وَاَبْلَ الشَّرِّ تَكُنْ مِنْهُمْ يَمْ نِيكُ اِفْرَادِ كَا قَرَبِ اخْتِيَارِ كِرْوِ تَاكِه اِنْهِيْ مِيْنِ سِے بُو جَائُو اَوْ رِبْرِے اِفْرَادِ سِے دُوْر رِبُو تَاكِه اِنْ مِيْنِ شَمَارِ نِه كِے جَائُو**۔

اہل بیت (ع) کے افکار

میرے عزیزو! ائمہ اہل بیت کی امامت کا پیروکار ہونا ہم پر لازم کرتا ہے کہ ہم زندگی کے متعلق ان کی راہ و روش کا مطالعہ کریں وہی راہ و روش جو صحیح معنی میں حقیقی اور خالص اسلامی راہ و روش ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان کے کلمات اور ان کے ارشادات بھی پیش نظر رکھیں اور واقعات و حوادث کے مقابل ان کے طریقے اور سیرت کو بھی مدنظر رکھیں۔ اس لئے کہ امامت کی پیروی کے معنی کتاب خدا اور سنت پیغمبر سے ماخوذ اسلام کی پیروی ہے۔ ائمہ ہدیٰ کی سیرت سیرت پیغمبر ہی ہے اور ان کا کلام بھی وہی ہے جو رسول خدا کا کلام ہے۔ لہذا ہمیں اپنی زندگی کو ان کی فکری اور عملی زندگی کے مطابق بنانا چاہئے صرف ان کے غم اور مسرت کے ایام منانے پر اکتفا نہ کریں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ اسلام کا ان حضرات نے جو کچھ بھی مظالم اور مصائب برداشت کئے وہ صرف اسلام کے لئے تھے۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے ہم معصومہ کونین سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی میں بھی دیکھتے ہیں۔ بالخصوص فتنہ و آشوب کے ایام میں آپ نے جو کچھ فرمایا جب اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس پر غور کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ آپ کے کلام کا محور اسلام اور اس کا دفاع تھا۔ حتیٰ آپ نے حضرت علیؑ کا دفاع بھی اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے برحق امام اور امیر اسلام تھے اس وجہ سے نہیں کہ علیؑ آپ کے شوہر تھے۔ گو کہ ہم حضرت علیؑ کے امام برحق اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے شوہر ہونے کے درمیان کسی فرق کے قائل نہیں ہیں لیکن انہوں نے آپ کی امامت کی وجہ سے آپ کا دفاع کیا اپنا شوہر ہونے کی بنا پر نہیں۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے ہمیں اپنی

زندگی میں زیادہ سے زیادہ مد نظر رکھنا چاہئے اور اہل بیت سے فکر عقیدے عمل اور زندگی کے میدان میں رابطہ استوار کرنا چاہئے تاکہ ہم انہیں اپنے عصر اور زمانے میں لا سکیں اور انہیں تاریخ کے ایک خاص حصے اور دائرے میں محدود نہ کریں اسی طرح جیسے بدقسمتی سے تاریخ کے دوران ان کے ساتھ یہی سلوک ہوا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ ہمیں مسلمانوں اور غیر مسلموں نیز مغرب و مشرق میں پھیلے ہوئے عصر حاضر کے انسانوں کے اذہان کو افکار اہل بیت سے معمور اور منور کرنا چاہئے۔ کیونکہ صرف انہی کے افکار انسانی حیات کو روشن کر سکتے ہیں۔ پس ہمیں انہیں چھوٹا اور معمولی بنا کر پیش نہیں کرنا چاہئے انہیں صرف اشک و عزا تک محدود نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں چاہئے کہ انہیں فکر و تہذیب کا سرچشمہ اور تمام عالم کو منور کرنے والا سمجھیں۔

قرآن کی نظر میں غیر مطلوب اور ناقابل معاشرت دوست

قرآن کی نظر میں غیر مطلوب اور ناقابل معاشرت دوست یہ بات جاننے کے لئے کہ کن لوگوں سے دوستی اور فاقہ کا رشتہ قائم نہ کیا جائے اور ان معیارات اور پیمانوں کی تشخیص کے لئے جن پر مومن اور صالح افراد کی دوستیاں استوار ہونی چاہئیں ہم کتاب خدا قرآن مجید اور احادیث معصومین سے رجوع کرتے ہیں۔ اس بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے: **يَوْمَ يَعْزُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ** اس دن ظالم (مارے افسوس کے) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا۔ یہاں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جس نے کفر فسق و فجور اور انحراف کی راہ اپنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ **يَقُولُ يَا لَيْتَنِي تَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا** اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا یعنی اے کاش میں اس راستے کو اختیار کرتا جسکی پیغمبر نے دعوت دی تھی اور اسی راہ پر ان کے ہمراہ چلتا۔ پھر جانکاہ فریاد کے ساتھ کہے گا: **يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا** ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ یعنی کافر اور رگمراہ شخص جس نے غیر مناسب فرد کو اپنا دوست بنایا ہو گا اب اس دوستی پر کف افسوس ملے گا۔ لیکن کیوں پشیمان ہو گا؟ اس لئے کہ: **لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي** (دوست) نے ذکر آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا۔ وہ ذکر جسے پیغمبر لے کر آئے وہ قرآن کریم ہے ایک ایسی کتاب جو انسان کو خداوند متعال اور اسی راہ کی طرف متوجہ کرتی ہے جس پر انسان کو چلنا چاہئے۔ **وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا** اور شیطان تو انسان کو ذلت و رسوائی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور روز قیامت کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ ایک اور طرح کے دوست جن کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے اور جنہیں نامناسب قرار دیا گیا ہے وہ افراد ہیں جو باطل اور غلط طریقے سے آیات الہی میں غور و خوض کرتے ہیں تاکہ بخیال خود ان میں نقص اور کمی ڈھونڈ کر ان کا انکار کریں ان کا مذاق اڑائیں اور ان کی مخالفت کریں۔ اس طرح کے دوستوں کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے: **وَإِذْ رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَأَمَّا يَنْسِيكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ** اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے متعلق بیہودہ بحث کر رہے ہیں تو ان (کے پاس) سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ لوگ کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں اور اگر شیطان تمہیں یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ برگز نہ بیٹھنا۔ (سورہ انعام ۶ آیت ۶۸)

قرآن مجید کی اس آیت سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ہمیں اسلام کے خلاف زہر اگلنے والے افراد سے دور رہنا چاہئے۔ پردگار عالم کو یہ بات پسند نہیں کہ ہم اس بزم میں شریک ہوں جس بزم میں لوگ اسلام کے خلاف گفتگو میں مصروف ہوں۔ لہذا ظاہر

ہے کہ وہ ہمیں اس بات کی اجازت بھی نہ دے گا کہ ہم اس طرح کے افراد کے ساتھ نشست و برخاست رکھیں۔ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس محفل تک سے نکل جائیں جس میں اسلام کے خلاف گفتگو ہو رہی ہو تو پھر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایسے افراد کے ساتھ ہماری دوستی اور ران سے ہمارا میل جول قبول کرے گا؟ پروردگار عالم ہم سے کہتا ہے کہ ایسی دوستی قائم کریں جس کی بنیاد ایمان اور تقویٰ پر ہو۔ لہذا ایسے مومن سے دوستی کا رشتہ قائم کریں جو خدا رسول اولیائے الہی اور روز قیامت پر ایمان نیز تقویٰ خشوع اور اطاعتِ خدا میں آپ سے نزدیک ہو۔ کیونکہ ایسی ہی دوستیاں باقی رہتی ہیں یہاں تک کہ ایسے دوست باہم بہشت بریں میں داخل ہوں گے اور وہاں بھی اسی طرح دوست بن کر رہیں گے جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ لیکن وہ لوگ جو دیانت اور تقویٰ میں آپ کی مثل و مانند نہ ہوں روز قیامت ان کی دوستی ختم ہو کر دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی: آج (قیامت) کے دن صاحبانِ تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ جی ہاں! صرف متقین کی دوستیاں روز قیامت تک باقی رہیں گی۔ ارشاد الہی ہوتا ہے: **إِذ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّا كُنَّا نَدْرِكُهُ فَنُتَبِّرُوا مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَلِكَ يَرَبِّمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَأْتِمُ يَخْرُجِينَ مِنَ النَّارِ** جب پیشوا اپنے پیروکاروں سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے اور سب کے سامنے عذاب ہو گا اور تمام وسائل منقطع ہو چکے ہوں گے۔ اور پیروکار کہیں گے کہ اے کاش ہم ان سے اسی طرح لاتعلق رہتے ہوتے جس طرح یہ آج ہم سے لاتعلقی کا اظہار کر رہے ہیں۔ خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کے پیش کرے گا اور ان میں سے کوئی بھی جہنم سے نکلنے والا نہیں ہے۔ (سورۃ بقرہ ۲ آیت ۱۶۶ ۱۶۷) پس متقی اور پرہیز گار شخص کو دوست بنانا چاہئے اور اگر آپ ایسے دوست کے طالب ہیں جسے پروردگار عالم انبیائے اولیائے الہی اور مومنین پسند کریں اور وہ روز قیامت آپ کے ہمراہ اور آپ کا رفیق ہو تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کا دوست وہ ہے جو آپ کے اندر یادِ خدا پیدا کرے۔ ایسے ہی خدا محو دوستوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: **إِخْوَانًا عَلَى سُرِّ مَتَقَائِلِينَ** وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ (سورۃ حجر ۱۵ آیت ۴۷)

معصومین کی نظر میں نامطلوب دوست

ہم نے کتابِ خدا اور سنتِ نبوی کے ذریعے نامطلوب اور نامناسب دوستوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں آئے اب اسی طرح اس بارے میں اہل بیت کے کلام سے رجوع کرتے ہیں۔ وہ کون لوگ ہیں جنہیں دوست نہیں بنانا چاہئے؟ اس بارے میں حضرت امام علی فرماتے ہیں: **صَحْبَةُ الْأَشْرَارِ تَكْسِبُ الشَّرَّ بَرِّ لَوْ كُؤُونَ كِي دُؤِستى سِے بُرَائى ہى حاصِل ہوتى ہے جى ہاں حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر آپ کے دوست برے اور بدکار لوگ ہوں گے تو آپ ان سے بُرائی اور بدی ہی حاصل کریں گے۔ حضرت ں نے مزید فرمایا: **كَالرَّيْحِ إِذَا مَرَّتْ بِالنَّتَنِ حَمَلَتْ تَنًّا** باکل اسی طرح جیسے ہوا جب بدبودار چیز پر سے گزرتی ہے تو اس کی بدبو اپنے ہمراہ لے آتی ہے۔ قدرتی طور پر دو دوستوں کے درمیان ایک دوسرے کی طرف باہمی الفت و محبت کی ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور وہ ان ہوائوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ حضرت علی ں نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: **مُصَاحِبُ الْأَشْرَارِ كَرَاكِبِ الْبَحْرِ** **إِنْ سَلِمَ مِنَ الْغَرَقِ لَمْ يَسْلَمْ مِنَ الْفَرْقِ** برے لوگوں کے ساتھ دوستی ایسی ہے جیسے انسان سمندری سفر میں ہو کہ ڈوبنے سے محفوظ رہنے کے باوجود خوف و اضطراب سے محفوظ نہیں رہتا۔ جی ہاں ممکن ہے سمندری سفر کے دوران اسکی تند و تیز موجیں کشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں یہاں تک کہ وہ الٹ جائے اور اس پر بیٹھنے والے سمندر میں غرق ہو جائیں۔ یہ لوگ اگر غرق ہونے سے محفوظ رہیں تب بھی وہ انتہائی**

خوف و براس میں مبتلا ہو جائے اور کبھی یہ حالت اس قدر شدت سے ان پر طاری ہو گی کہ مستقبل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی شخصیت اور روح پر اثر انداز رہے گی۔ حضرت امام جواد (ہم میں سے بہت کم لوگ ہیں جو حضرت کی فکر اور آپ کی علمی میراث سے آشنا ہو گئے) فرماتے ہیں: **إِيَّاكَ وَمَصَاحِبَةَ الشَّرِيرِ فَإِنَّهُ كَالسِّيفِ الْمَسْلُوقِ يَحْسِنُ مَنْظَرَهُ وَيَقْبِحُ آثَرَهُ** برے انسان کے ساتھ میل جول سے ہمیشہ پرہیز کرو کیونکہ وہ ننگی تلوار کی مانند ہوتا ہے جو دیکھنے میں تو خوبصورت نظر آتی ہے لیکن اسکا اثر بہت برا ہوتا ہے۔

تلوار جب برہنہ ہوتی ہے تو چمکتی ہے اور نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے لیکن جب گرتی ہے تو قتل و غارت اور خونریزی بپا کرتی ہے۔ حضرت امام علی کی ایک حدیث میں ہے: **مَنْ لَا يَصْحَبُكَ مَعِينًا عَلَى نَفْسِكَ فَصَحْبَتَهُ وَبِالِ عَالَمِكَ** تمہارے دوستوں میں سے جو بھی تمہارے نفس کے خلاف جد و جہد میں تمہارا مددگار نہ ہو اس کی دوستی تمہارے لئے وبال اور باعثِ زحمت ہے۔ لہذا وہ دوست جو تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے اور تمہیں اس سے منع نہ کرے تمہارے اندر انحراف و کج روی کا مشاہدہ کرے اور تمہیں راہِ راست کی طرف لانے کے لئے کوشش نہ کرے، تمہیں خطا میں مبتلا پائے اور درستگی کے لئے اقدام نہ کرے تو ایسے دوست کی دوستی سے پرہیز کرو اس لئے کہ اس کی دوستی بالکل بے سود ہے بلکہ ممکن ہے کہ نصیحت کے سلسلے میں اس کا خاموش رہنا کوئی قدم نہ اٹھانا تمہیں انحراف گمراہی اور خطا کے راستے پر باقی رکھے اور یہ چیز تمہارے لئے باعثِ وبال بن جائے گی۔ حضرت امام محمد باقر سے وارد ہوا ہے: **مَنْ لَمْ يَنْتَفِعْ بِدِينِهِ وَدُنْيَاهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي مَجَالِسَتِهِ وَمَنْ لَمْ يُوجِبْ لَكَ فَلَا تُوجِبْ لَهُ وَلَا كَرَامَةَ** جس شخص کے بھی دین یا دنیا سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے ساتھ ہم نشینی میں تمہارے لئے کوئی خیر نہیں ہے اور جو شخص بھی تمہاری (دوستی کے حق کی) رعایت نہیں کرتا تم بھی اسکی رعایت نہ کرو اور نہ ہی (ایسے شخص کی دوستی میں) کوئی عزت ہے۔ درحقیقت یہاں امام یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسانی روابط و تعلقات کا نتیجہ لازماً کسی غیر حرام (حلال) فائدے کی صورت میں نکلتا جائے۔ انسانی زندگی بے ہی لوگوں کے باہمی مفادات کے تبادلے پر قائم اور یہ کوئی ناپسندہ اور قبیح بات نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کو حق حاصل ہے کہ جس طرح وہ آخرت کے فائدے کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتا ہے اسی طرح کسی حرام میں مبتلا ہوئے بغیر ذلے اوی مفاد کے حصول کے لئے بھی کوشش کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم نے حبِ ذات کی بالکل ہی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ اس کے لئے گنجائش رکھی ہے اور اس کی ایک حدمعین اور مخصوص فرمائ ہے کیونکہ حبِ ذات کی دو اقسام ہیں:

کبھی حبِ ذات خود پرستی اور انانیت کو کہاجاتا ہے اس صورت میں انسان پوری دنیا صرف اپنے لئے چاہتا ہے اپنی ذات کے حصار میں اسیر ہوتا ہے اپنے اردگرد رہنے والے انسانوں سے بے خبر ہوتا ہے دوسروں کی ذمے داری نہیں اٹھاتا اور زندگی کے فلسفے اور اسکی ضروریات سے نا بلد ہوتا ہے۔ اس طرح کی حبِ ذات خود پرستی اور خودخواہی مردود و منغور ہے اور اسلام مردِ مسلمان سے اس طرح کی کوئی چیز نہیں چاہتا۔ کیونکہ پروردگار عالم انسان سے چاہتا ہے کہ وہ زندگی کے میدان میں آگے بڑھے زندگی بسر کرے زندگی بخشے بلکہ زندگی کو معنی عطا کرے۔

۱. قابلِ مذمت حبِ ذات

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا سے سوال کیا گیا: **مَنْ أَسْوَأُ النَّاسِ مَعَاشًا؟** قَالَ مَنْ لَمْ يَعْشِ غَيْرَهُ فِي مَعَاشِهِ (زندگی اور معاشرت کے لئے سب سے بدتر شخص کون

ہے؟) فرمایا: وہ شخص جس سے دوسرے لوگ اپنی زندگی میں فائدہ نہ اٹھاسکیں۔ یعنی ایسا شخص جو صرف اپنے لئے زندہ رہے اور دوسروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے۔ اس کے علم تجربے قدرت مال اسکے مقام و منصب اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے کسی دوسرے کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ اسلام کی نظر میں ایسی حب ذات منفور و مردود ہے۔ اسی ناپسندیدہ حب ذات میں لذت طلبی اور حرام کی گئی شہوتوں کا طلبگار ہونا بھی ہے۔ پروردگار عالم انسان سے چاہتا ہے کہ وہ اس طرح کی خودپرستی اور حب ذات سے مقابلہ کرے اور اپنے آپ کو ہر طرح کی حرام شہوت اور ہر اس لذت سے محفوظ رکھے جس سے پروردگار عالم راضی نہ ہو۔ اس طرح کی لذتیں انسان کو ذلیل رسوا اور زوال سے دوچار کر دیتی ہیں۔ اسی مذموم حب ذات میں ظالم کی مدد اسے تقویت پہنچانا کفار کے مقابل تواضع و انکساری دکھانا اور مستکبروں کی اعانت کرنا بھی شامل ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ اگر نفسانی خواہش تم سے چاہے کہ مستکبرین کفار اور ستمگروں کے ساتھ مل بیٹھو تو لازماً اپنی اس خواہش کا مقابلہ کرو اور پروردگار عالم کے ساتھ بوجاؤ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ اہل ایمان! تقوا اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ بوجاؤ۔ (سورئہ توبہ ۹ آیت ۱۱۹)

۲. قابل تعریف حب ذات

البتہ اگر حب ذات سے مراد یہ ہو کہ انسان شرعاً جائز اور حلال چیزوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہو تو پروردگار عالم نے اس خواہش کو حرام قرار نہیں دیا ہے۔ نہ ہی اللہ نے لباس کو حرام کیا ہے نہ ہی کھانے اور پینے کی چیزوں کو، اور نہ ہی سکونت و تجارت کو بلکہ فرمایا ہے: اَلْكَادُّ عَلَىٰ عِيَالِهِ كَالْمَجَاوِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (اپنے اہل و عیال کے رزق کے لئے تلاش و کوشش کرنے والا شخص راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے) نیز فرمایا ہے: وَالْعِبَادَةُ سَبْعُونَ جَزْئًا أَفْضَلُهَا طَلَبُ الْحَلَالِ (عبادت کے ستر حصے ہیں اور ان میں سب سے بہتر حصہ رزقِ حلال کے سلسلے میں کوشش ہے) پس اگر حب ذات اس مفہوم میں ہو اور اس رنگ کی حامل ہو تو اس کے معنی آخرت میں بلند درجات کی طلب اور جستجو ہے۔ اور اس قسم کی حب ذات کی بنیاد پر خداوندِ عالم نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تم اپنی ذات کو دوست رکھتے ہو اسکے خیر خواہ اور محب ہو تو رضائے الہی کے لئے عمل انجام دو: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔) سورئہ زلزہ ۹۹ آیت ۷)

لہذا حب ذات نہ ہی یکسر مثبت ہے اور نہ ہی یکسر منفی۔ حب ذات اگر ان حدود میں ہو جنہیں پروردگار عالم نے دنیا میں انسان کے لئے حلال قرار دیا ہے یا جن کا پروردگار عالم نے آخرت میں انسان سے وعدہ کیا ہے تو ایسی حب ذات میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وَأَتَّبِعْ فِيمَا أَنَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفِسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمَفْسِدِينَ اور جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے اس سے آخرت کے گھر کا انتظام کرو اور دنیا میں اپنا حصہ بھول نہ جاؤ۔ اور جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ نیک برتائو کیا ہے تو تم بھی دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور روئے زمین پر فساد کی کوشش نہ کرو کہ پروردگار عالم فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔) سورئہ قصص ۲۸ آیت ۷۷)

بہر صورت جس کسی کے ساتھ بھی دوستی اور رفاقت کا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہو تو پہلے اسکے بارے میں تحقیق کر لو اور دیکھ لو کہ کیا وہ تمہارے دین و ایمان کے لئے مفید واقع ہو سکتا ہے؟ کیا دنیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہے؟ تمہارے لئے کوئی زحمت و مشقت جھیل سکتا ہے؟ اگر ان سوالوں کا جواب مثبت ہے تو پھر اسکی طرف

دوستی کا ہاتھ بڑھائو البتہ شرائط کے ساتھ لیکن اگر مدمقابل ایسا ہے کہ جس سے تم کو نہ کوئی دینی فائدہ ہوگا نہ دنیاوی تو پھر ایسے شخص کی ہم نشینی اور دوستی میں تمہارے لئے کوئی خوبی نہیں۔ جو تمہارے لئے زحمت و مشقت نہ اٹھا سکے تم بھی اسکے لئے مشکل میں نہ پڑو اور نہ ہی اسے اہمیت دو۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: أَنْظِرْ كُلَّ مَنْ لَا يَفِيدُكَ مِنْفَعَةً فِي دِينِكَ فَلَا تَعْتَدَنَّ بِهِ وَلَا تَرْغَبَنَّ فِي صَحْبَتِهِ فَإِنَّ كُلَّ مَا سِوَى اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مُضْمَجَلٌ وَخِيمٌ عَاقِبَتُهُ دِيكُهُو اور غور کرو جو کوئی بھی تمہارے دین کے لئے مفید نہ ہو اس کی پرواہ نہ کرو اور نہ ہی اس کی ہم نشینی کی خواہش کرو۔ اس لئے کہ پروردگار عالم کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور اسکا انجام بہت برا ہے۔ یعنی دوستی کے لئے ایسے شخص کے چنائو کی کوشش کرو جو اطاعتِ خدا میں تمہارا مددگار بنے تمہارے دین کو قوی کرے اور تمہیں آخرت کی جانب متوجہ کرے۔

ایسے لوگوں سے دور رہو

حضرت علیؑ سے نقل ہوا ہے: إِحْذِرْ مَنْ إِذَا حَدَّثَتْهُ مَلَكَ (ایسے شخص سے بچو کہ جب تم اس سے بات کرو تو وہ تمہیں پریشان کرے) یعنی تمہاری باتوں پر توجہ نہ دے اگرچہ اس کی بھلائی میں ہوں بلکہ ابتدا سے ہی شکوہ او ر ملامت آمیز کلام شروع کرے اور: وَإِذَا حَدَّثَكَ غَمًّا (جب تم سے بات کرے تو تمہیں غمگین کرے) (وَأَنْ سَرَّرَتْهُ أَوْ ضَرَّرَتْهُ سَلَّكَ فِيهِ مَعَكَ سَبِيلًا) (اور اگر اسے خوش کرو یا ضرر پہنچاؤ تو وہ بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے۔) یعنی درگزر نہ کرے بلکہ اگر اسے تم سے نقصان پہنچ جائے تو وہ بھی تمہیں نقصان پہنچا کے دم لے۔ (وَأَنْ فَارَقْتَهُ سَاءَ كَمَا مَغِيْبُهُ يَذْكُرُ سَوَاءَاتِكَ) (اگر اس سے جدا ہو جائو تو وہ تمہارے پس پشت تمہاری برائی کرے اور اس طرح تمہیں نقصان پہنچائے) یعنی جب تک تمہارے ساتھ ہو تمہاری اچھائیاں بیان کرے اور تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری برائیاں کرے۔ (وَأَنْ وَافَقْتَهُ حَسَدًا وَعَاتَدَى) (اور اگر اس کے ساتھ موافقت کرو تو تم سے حسد کرے اور تم پر ظلم کرے)۔ اس لئے کہ تمہیں برتر نہیں دیکھ سکتا۔ اور جب بھی تم سے خوش خلقی اور اچھے برتاؤ کا مشاہدہ کرتا ہے تو تم سے حسد کرتا ہے اور تمہاری تعریف نہیں کرتا بلکہ تم سے زیادتی کرتا ہے۔ (وَأَنْ خَالَفْتَهُ مَقْتًا وَمَارَى) (اور اگر اس کی مخالفت کرو تو تم سے نفرت کرے اور جھگڑنے لگے)۔

جب تم اس کی مخالفت کرو تو غصے کا اظہار کرے اور یہ قبول کرنے پر تیار نہ ہو کہ ممکن ہے تمہارا یہ اختلاف نظر موضوع کی تشخیص کی بنا پر ہو۔ یَعْجَزُ عَنْ مَكَافَاةٍ مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْهِ (اپنے ساتھ نیکی کرنے والے کو نیک بدلہ دینے سے عاجز ہو)۔ لِهَذَا إِنْ كَوْنِي اس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے تو یہ اسے اس کا بدلہ نہیں دیتا۔ وَيَفْرَطُ عَلِيٌّ مَنْ بَغَى عَلَيْهِ (اور اگر کوئی اس کے ساتھ زیادتی کرے تو اس سے قصاص اور بدلہ لینے میں حد سے بڑھ جاتا ہے)۔ اگر کوئی اس پر ظلم کرے تو جتنا اس پر ظلم ہوا ہے اسی کے برابر قصاص پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ افراط سے کام لےتا ہے اور ایک تھپڑ کا جواب دو تھپڑ سے دیتا ہے!۔ يَصْبِحُ صَاحِبَهُ فِي آجَرٍ وَيَصِيحُ بُو وَزِرٍ (ایسے شخص کا دوست او ر ہم نشین تو اجر کا مستحق بن جاتا ہے جبکہ خود وہ گناہوں کے بوجھ تلے دب جاتا ہے)۔ پس ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھنے والا شخص مومن ہے اجر و ثواب کا حقدار اور نجات یافتہ ہے جبکہ خود وہ شخص اپنے عمل بد کی وجہ سے گناہ میں عمر گزار رہا ہے۔ لِسَانَهُ عَلَيْهِ لَالَةٌ (اپنی زبان کو اپنے دوست کے خلاف استعمال کرتا ہے اس کے دفاع کے لئے نہیں)۔ وَلَا يَضْبُطُ قَلْبَهُ قَوْلَهُ (اس کے دل کا اس کی زبان پر قابو نہیں ہوتا) اسکے قلب اور اسکی گفتار کے درمیان ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ يَتَعَلَّمُ لِلْمَرَأِ (دوسروں سے جدال کرنے

کے لئے علم حاصل کرتا ہے) تہذیبِ نفس اور علم میں اضافے کے لئے نہیں بلکہ مناظرہ کرنے اور جھگڑے کے لئے علم حاصل کرتا ہے۔ وَيَتَنَقَّفُ لِلرَّيَاءِ (اور دکھاوے کے لئے مہذب بنتا ہے) تاکہ لوگ اسے ہوشیار اور عقل مند سمجھیں۔ يَبَادِرُ لِلدُّنْيَا (دنیا کے لئے تیز قدم اٹھاتا ہے) اسکا کوئی اقدامِ آخرت کے لئے نہیں ہوتا صرف دنیا کے لئے ہوتا ہے۔ وَيَوَاقِلُ التَّقْوَى (تقویٰ کے کاموں میں سست رو ہوتا ہے) اگر تقویٰ اور پرہیزگاری کسی عمل کا تقاضا کرے تو اس عمل کی انجامدہی میں تاخیر کرتا ہے۔ اسکی جانب تیزی سے نہیں لپکتا۔ نیز آنحضرتی فرماتے ہیں: إِحْذَرِ مَصَاحِبَةَ الْفُسَاقِ وَالْفُجَّارِ وَالْمَجَابِرِينَ يَمْعَاصِي اللَّهِ فَاسِقُونَ فَاجِرُونَ او رکھلم کھلا خدا کی نافرمانی کرنے والوں کی دوستی سے پرہیز کرو۔ پھر دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: عَدُوٌّ عَاقِلٌ خَيْرٌ مِنْ صَدِيقٍ أَحْمَقٍ عَقْلُ مَنْدِ دُشْمَنِ أَحْمَقٍ دُشْمَنِ سَيِّئٍ خَيْرٌ مِنْ صَدِيقٍ سَيِّئٍ۔ کیونکہ عقل مند دشمن کی دشمنی و عداوت ظاہر و آشکارا ہے اور وہ اپنی دشمنی میں کچھ اصولوں کا پابند ہوتا ہے لہذا اس سے محفوظ رہا اور بچا جا سکتا ہے۔ لیکن احمق دوست تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن حماقت کی بنا پر نقصان پہنچائیٹھے گا کیونکہ اس میں فکری توازن نہیں پایا جاتا۔ جن لوگوں سے دوستی کا رشتہ قائم کرنے اور ان سے میل جول سے منع کیا گیا ہے احادیثِ معصومین میں ان کی کچھ اور خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت امام علی سے مروی ہے: اِيَّاكَ وَمَصَاحِبَةَ اَبْلِ الْفُسُوقِ فَاسِقُونَ کی دوستی سے پرہیز کرو۔ یعنی جن لوگوں کی زندگی کے طور طریقے فسق و فجور خدا کی متعین کردہ حدود سے تجاوز اور اسکی نافرمانی پر استوار ہیں۔ قَانَ الرَّاضِي يَفْعَلُ قَوْمٌ كَالدَّخْلِ فِيهِمْ مَعَهُمْ كَسِيْ غُرُوْهُ كَيْ فَعْلٍ پَر رَاضِي بُوْنِي وَاَلَا اَسِي طَرْحِ بِي جِيْسِي اس گروہ میں شامل ہو۔ بلاشبہ پروردگار عالم جس طرح کسی عمل کی انجامدہی پر انسان سے جواب طلب کرے گا اسی طرح عمل بد انجام دینے والے سے راضی اور خوشنود رہنے والے اور اسکی تائید کرنے والے سے بھی جواب طلب کرے گا۔ پھر آپ نے کہا: اِيَّاكَ دُوْسَرِي كَلَامٍ مِيْنِ اَسِ طَرْحِ نَظَرِ اَنَا بِي: الرَّاضِي يَفْعَلُ قَوْمٌ كَالدَّخْلِ فِيهِمْ مَعَهُمْ وَعَلَى الدَّخْلِ اِثْمَانٌ: اِثْمُ الرِّضَا وَاِثْمُ الْعَمَلِكِ كَسِيْ غُرُوْهُ كَيْ فَعْلٍ پَر رَاضِي بُوْجَانِي وَاَلَا بھی اسی گروہ میں شامل سمجھا جائے گا۔ اس پر دہرا گناہ ہو گا ایک گناہ اس عمل سے رضایت کی بنا پر اور دوسرا ایسے عمل کو انجام دینے کی وجہ سے ہے۔ حَضْرَتِ بِمَزِيْدٍ فَرَمَاتِي بِي: اِنْ مَا يَجْمَعُ النَّاسَ الرِّضَا وَالسَّخَطَ وَاِنَّمَا عَقْرُ نَاقَةٍ ثَمُوْدٍ رَجُلٍ وَاَحَدٍ فَعَمَهُمُ اللّٰهُ بِالْعَذَابِ لَمَّا عَمُوْهُ بِالرِّضَا فَقَالَ: فَعَقَرُوْبَا فَاَصْبَحُوْا نَادِمِيْنَ لَوْ كُوْنُ كَا) اِيَّاكَ عَمَلِ سِي) رَضَامَنْدِ اور ناراض ہونا انہیں ایک گروہ اور قوم کی صورت عطا کر دیتا ہے۔ قومِ ثمود کے ناقے کے پیر ایک شخص نے کاٹے تھے لیکن کیونکہ دوسرے اس عمل سے راضی اور خوش تھے لہذا پروردگار عالم نے پوری قوم پر عذاب نازل کیا اور فرمایا: فَعَقَرُوْبَا فَاَصْبَحُوْا نَادِمِيْنَ (پھر ان لوگوں نے اس کے پیر کاٹ دیے اور بعد میں بہت شرمندہ ہوئے۔) اس عمل کو انجام دینے والا ایک فرد تھا لیکن پورے قبیلے نے اس عمل پر رضامندی کا اظہار کیا یا اس عمل کی حوصلہ افزائی کی۔

لہذا اس ایک آدمی کے اس عمل میں سبھی شریک جرم ہوئے۔ کیونکہ ایک عمل میں کبھی قلبی اور قولی طور پر شریک ہوا جاتا ہے اور کبھی عملی طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ مردِ مسلمان کو ایسے افراد کے بارے میں اپنے دل کی دھڑکنوں اور زبان سے نکل جانے والے بے ساختہ الفاظ تک کے بارے میں محتاط اور باریک بین ہونا چاہئے جو کسی عمل بد کے مرتکب ہوتے ہیں یا ظالموں کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ آپ ہی کی ایک دوسری حدیث ہے: الظَّالِمُ وَالرَّاضِي بِالظُّلْمِ وَالْمَعِينُ لَهُ شُرَكَاءُ ثَلَاثَتُهُمْ مَظَالِمُ ظَلَمٍ پَر رَضَامَنْدِي كَا اظْهَارِ كَرْنِي وَاَلَا تِيْنُوْنَ شَرِيْكَ ظَلَمِ بِي۔ کیونکہ پروردگار عالم چاہتا ہے کہ انسان کی فکر روح قلب اور زندگی سے برائی و شرارت

کا خاتمہ ہوجائے۔ جبکہ ظلم پر رضامندی کے اظہار اور ظالم کے ظلم پر خوش ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایسے فرد کے ذہن میں بدی دوسروں پر ظلم و ستم اور بر دوسری برائی کے بیچ موجود ہیں اور جب بھی حالات سازگار ہوں گے یہ بیچ برگ و بار لائیں گے۔ لہذا جو کوئی ظلم و ستم دیکھ کر اس سے رضامندی کا اظہار کرتا ہے وہ درحقیقت ظالم کی تائید کرتا ہے اسکے عمل کو سندِ جواز دیتا ہے کیونکہ اگر بعض افراد ظلم نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ انہیں دوسروں پر ظلم کرنا اچھا نہیں لگتا بلکہ وہ ظلم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جب بھی ان کے اندر ظلم و ستم ڈھانے کی طاقت پیدا ہوگی وہ ظلم کی طرف ضرور جائیں گے۔ حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں: **إِيَّاكَ وَمَصَاحِبَةَ الْفَسَاقِ فَإِنَّ الشَّرِيَالَشَّرَ مَلْحَقٌ فَاسْقُوفِ كِي دُوسْتِي سِي بِي جُو كِيونِكِي بَرَاثِي** سے آملتی ہے۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: **إِيَّاكَ وَ مَخَالَطَةَ السَّقَلَةِ فَإِنَّ مَخَالَطَةَ السَّقَلَةِ لَا لُودِي إِلِي خِيَرِ**۔ پست اور کمینے لوگوں کے ساتھ میل جول سے بچو کیونکہ ان سے میل جول اچھائی کی طرف نہیں لے جاتا۔ پست اور کمینے لوگوں سے مراد وہ پست فطرت افراد ہیں جو ایسے کام کرتے ہیں جو لوگوں کے لئے ضرر رساں اور ان کی شخصیت کو نقصان پہنچانے والے ہوں۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: **إِيَّاكَ وَ مَصَاحِبَةَ مَنَ الْهَآكَ عَن ذِكْرِ اِوَغْرَاكَ بِالْمَعْصِيَةِ فَإِنَّهُ يَخَذَلُكَ عِنْدَ حَاجَتِكَ إِلَيْهِ وَبِوَيْفِكَ**۔ (ایسے شخص کی دوستی سے پرہیز کرو جو تمہیں خدا سے غافل کردے اور گناہ کرنے میں تمہیں جری کردے۔ ایسا شخص ضرورت کے وقت تمہیں تنہا چھوڑدے گا اور تمہیں ہلاک کردے گا)۔ نیز فرمایا: **إِيَّاكَ وَ مَصَاحِبَةَ الْكُذَّآبِ**۔ (جھوٹے کی دوستی سے پرہیز کرو)۔

اور معاشرتی اور مادی حالات یا رشتے داری کے سبب: **فَإِذَا اضْطَرَّرْتَ إِلَيْهِ فَلَا تُصَدِّقْهُ** (اگر مجبوراً اس سے ربط و تعلق کی ضرورت ہو تو اس کی تصدیق نہ کرو) کیونکہ ایسا شخص جو جھوٹ بولنے کا عادی ہو تو یہ خصلت اس میں رچ بسی جاتی ہے اور اسکی باتیں جھوٹ ہوتی ہیں (لیکن اس کے باوجود): **وَلَا تُعَلِّمُهُ أَنَّكَ تَكْذِبُهُ** (اور اسے یہ باور نہ ہونے دو کہ تم اسے جھوٹا سمجھتے ہو)۔ یعنی اس کے ساتھ ہوشیاری اور زیرکپی سے پیش آؤ اور ایسے اس بات کا علم نہ ہونے دو کہ تم اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ **فَإِنَّهُ يَنْتَقِلُ عَن وَدِّكَ وَ لَا يَنْتَقِلُ عَن طَبِيعِهِ** (اس لئے کہ ایسا فرد تمہاری دوستی سے تو ہاتھ کھینچ سکتا ہے لیکن اپنی طبیعت اور خصلت سے برگڑ باز نہیں آ سکتا)۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: **قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يَا بَنِي إِيَّاكَ وَ مَصَاحِبَةَ الْقَاطِعِ الرَّحِمِ فَإِنِّي وَحْدَتُهُ مَلْعُونًا فِي كِتَابِ اللَّهِ فِي ثَلَاثِ مَوَاضِعٍ مِيرِے وَالدَّ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ (ع) نے فرمایا: بیٹا! جس نے اپنے والدین سے قطع تعلق کرلیا ہو (یعنی جس کے والدین نے اسے عاق کر دیا ہو) اس کی دوستی سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ میں نے قرآن مجید میں اسے تین جگہ ملعون اور خدا کی لعنت کا مستحق پایا ہے۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: **إِيَّاكَ وَ صَحْبَةَ الْأَحْمِقِ أَحْمَقُ كِي دُوسْتِي سِي پَرِيْزْ كُرُو**۔ احمق وہ ہے جو عقلی توازن اور فکری گہرائی سے محروم ہو۔ جو اچھائیوں کو برا اور برائیوں کو اچھا سمجھے کیونکہ: **فَإِنَّهُ أَقْرَبُ مَا تَكُونُ مِنْهُ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ مَسَاءً تَكُ تَمَّ جَتْنَا بِي سِي اس كِي نَزْدِيْكَ بُوْگِي بَرَاثِي سِي نَزْدِيْكَ بُوْگِي**۔ نیز آپ ہی فرماتے ہیں: **إِيَّاكَ وَ صَحْبَةَ الْأَحْمِقِ الْكُذَّآبِ فَإِنَّهُ يَرِيدُ أَنْ يَنْفَعَكَ فَيَضُرُّكَ وَيَقْرُبُ مِنْكَ الْبَعِيدَ وَيَبْعَدُ مِنْكَ الْقَرِيبَ إِنْ إِيْتَمَنَّتْ خَانَتُكَ وَإِنْ إِيْتَمَنَّتْ بِأَنَّكَ جَهْوُتِي أَحْمَقُ كِي بِمَ نَشِيْنِي سِي پَرِيْزْ كُرُو**۔ اس لئے کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن نقصان پہنچائیے گا۔ دور کونزدیک اور نزدیک کو دور بنا کر پیش کرے گا اور اگر تم اس کو امین بنائو گے تو خیانت کرے گا اور اگر وہ تمہارے پاس امانت رکھے گا تو تمہاری توہین کرے گا۔ **إِنْ حَدَّثَكَ كَذْبَكَ وَإِنْ حَدَّثَتْهُ كَذْبَكَ وَأَنْتَ مِنْهُ يَمْنَزِلُ السَّرَابِ الَّذِي يَحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا** اگر وہ تم سے بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا اور اگر تم کچھ کہو گے تو تمہیں جھٹلائے گا۔ وہ تمہارے لئے ایسے سراب کی مانند ہو گا جسے پیاسا دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب نزدیک آتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔**

تمہارے دوست اور تمہارے دشمن

کون لوگ ہمارے دوست ہیں اور کون لوگ ہمارے دشمن؟ اس بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا ہے: **أَصْدِقَائِي كَثَلَاةٌ: صَدِيقُكَ وَصَدِيقُ صَدِيقِكَ وَعَدُوُّكَ وَأَعْدَاؤُكَ ثَلَاثَةٌ عَدُوُّكَ وَعَدُوُّصَدِيقِكَ وَصَدِيقُ عَدُوِّكَ** تمہارے دوستوں کی تین قسمیں ہیں :

(۱) تمہارا دوست

(۲) تمہارے دوست کا دوست

(۳) تمہارے دشمن کا دشمن ۔

اسی طرح تمہارے دشمن کی بھی تین قسمیں ہیں :

(۱) تمہارا دشمن

(۲) تمہارے دوست کا دشمن

(۳) تمہارے دشمن کا دوست۔

ہ واضح طریقہ جسے حضرت علیؓ نے ہمارے لئے معین کیا ہے اسے ہمیں صرف فردی مسائل میں منحصر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں چاہئے کہ اسے تمام اجتماعی اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں اور عالمی اور بین الاقوامی تنظیموں اور حکومتوں کی سطح تک وسعت دیں۔ مثال کے طور پر صہیونیوں کو لیتے ہیں جو فلسطین میں گھس بیٹھے ہیں اور وہاں کے اصل باشندوں کو دربر کر دیا ہے اور ایک طویل مدتی منصوبہ بندی کے ذریعے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو فلسطین میں اکھٹا کر کے وہاں بسانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اہل اسلام سے ان کی دشمنی اور عداوت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: **لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا** آپ دیکھیں گے کہ صاحبانِ ایمان سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔ (سورۃ مائدہ ۵ آیت ۲۸) یہ وہ دشمن ہیں جنہوں نے پچاس برس سے زیادہ عرصے سے خطے کو سیاسی اقتصادی فوجی سیکوریٹی اور حتیٰ ثقافتی اعتبار سے فتنہ و فساد کی آگ میں دھکیل رکھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا صرف اسرائیل ہمارا دشمن ہے؟ یا اسرائیل کے دوست بھی ہمارے دشمن ہیں؟ ہمیں اسرائیل کے حوالے سے جائزہ لیتے ہوئے یہ نکتہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ یہ صرف امریکہ ہی ہے جو اسرائیل کا سو فیصدی حمایتی اور مسلمانوں کا مخالف ہے۔ پس امریکہ جو ہمارے دشمن نمبر ایک اسرائیل کا دوست ہے درحقیقت ہمارا دشمن ہے۔ ہمیں امریکی عوام سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ وہاں کے عوام طبعاً صلح پسند ہیں اور بہت سے امریکی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور اگر انہیں اچھے انداز سے اسلام کی دعوت دی جائے تو ممکن ہے ان کی ایک کثیر تعداد اسلام قبول کر لے۔ مسلمان ملت کو بھی امریکی شہریوں سے کوئی مسئلہ نہیں ہے نیز پروردگار عالم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اچھے طرز عمل کے ذریعے اپنے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں: **وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعِ بِاللَّتِي بِي أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ** نیکی اور برائی برگر مساوی نہیں ہوسکتی۔ لہذا تم برائی کا جواب بہترین طریقے سے دو کہ اس طرح جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ بھی ایسا ہو جائے گا جیسے گہرا دوست ہوتا ہے۔ (سورۃ فصلت ۱۴ آیت ۳۴)

اسلام کا اصول ملاپ اور میل جول ہے

عزیزو! اسلام کا اصول ملاپ اور میل جول ہے جدائی اور قطع تعلق نہیں۔ کیونکہ انسانوں کا ایک دوسرے سے میل ملاپ ربط و تعلق معاشرے میں موجود دراڑوں کو پرکھ دیتا ہے۔ اور بعض اوقات باہمی ربط و تعلق نہ ہونے اور دوریوں کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان خلیج گہری ہو جاتی ہے۔ لیکن باہمی میل ملاپ قربت اور گفتگو کے ذریعے پتا چلتا ہے کہ سامنے والے کی فکر کیا ہے؟ اسکے اہداف و خواہشات کیا ہیں؟ اسکے خواب اور تمنائیں کیا ہیں؟ اسکا نکتہ نظر کیا ہے؟ اور اسی طرح فریق ثانی آپ کے متعلق تمام شناسائے حاصل کر لیتا ہے اور یوں ایک انسان دوسرے انسان کو سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہ اسلامی معاشرے کی تنظیم کے اسرار میں سے ایک راز ہے۔ لہذا معاشرے میں نظر آنے والی یہ بات کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے قطع تعلق کئے ہوئے ہیں اور بعض ایک دوسرے سے گفتگو تک کے روادار نہیں اسلامی اصولوں کے برخلاف ہے۔ دوستی کے متعلق ایک حدیث میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: **لَا تَذَبِ الْجِشْمَةَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ أَخِيكَ وَابْقِ مِنْهَا فَإِنَّ ذَبَابَهَا ذَبَابُ الْحَيَاءِ** اپنے اور اپنے دوست کے درمیان شرم و حیا کا پردہ ختم نہ کرنا کیونکہ اس پردے کے اٹھ جانے سے حیا کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دو افراد جن کے درمیان دوستی اور رفاقت کا رشتہ قائم ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ دو انداز سے پیش آ سکتے ہیں:

۱۔ ایک انداز اور طریقہ یہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی پاس و لحاظ نہ ہو کوئی پردہ نہ رہے، سارے حجاب پارہ بوجائیں اور دونوں کے درمیان ایسی کوئی بھی چیز باقی نہ بچے۔ اس بات سے روکا گیا ہے۔ حضرت امام کاظمؑ نے تاکید فرمائی ہے کہ دو افراد کے درمیان کچھ نہ کچھ حیا باقی رہنی چاہئے جس سے پتا چلے کہ وہ ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے احترام کے قائل ہیں۔ کیونکہ اگر سارے حجاب پارہ بوجائیں اور کوئی حد باقی نہ بچے تو دونوں کی دوستی کو نقصان پہنچے گا۔

۲۔ دوسرا انداز و اسلوب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم رہے وہ ایک دوسرے کے تمام رازوں سے واقف نہ ہوں اور ان کے درمیان باہمی پاس و لحاظ برقرار رہے۔ اور یہی انداز مطلوب ہے۔ ایک حدیث میں حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: **إِنْ آرَدْتَ أَنْ يَصْفُولَكَ وَدَ أَخِيكَ فَلَا تَمَازِحْنَهُ** (اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بھائی کے ساتھ تمہاری دوستی خالص ہو تو اس سے ہنسی مذاق نہ کرنا)۔ یہاں مذاق سے مراد گھٹیا اور غیر مہذب مذاق ہیں۔ **وَلَا تَمَارِينَهُ** (اس کے ساتھ جھگڑا نہ کرنا)۔ مراد یہ ہے کہ ایسی بحث نہ کرنا جس میں بدکلامی ہو جو دوستی کو خراب کر دیتی ہے۔ **وَلَا تَبَايِنَهُ** (اور اس کے سامنے شیخی نہ بگھارنا)۔ یعنی اسے اپنے رتبے و مقام مال و دولت سے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرنا اور اپنے اس عمل کے ذریعے اس کی شخصیت کو نیچا مت دکھانا۔ **وَلَا تَشَارِنَهُ** (اور اسے نقصان نہ پہنچانا)۔ یعنی اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا جس سے فتنہ و فساد سر ابھارے یا ایسا عمل نہ کرنا جس سے اس کے او رتمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو۔

حضرت امام علیؑ نے فرماتے ہیں: **الْمَرْءُ يُفْسِدُ الصَّدَاقَةَ الْقَدِيمَةَ وَيَحُلُّ الْعَقْدَةَ الْوَثِيقَةَ وَأَقْلُ مَا فِيهِ أَنْ تَكُونَ فِيهِ الْمَغَالِبَةُ جِدَالِ بَرَانِي دُوسْتِيُوں كُو خَرَاب كَر دِيَتَا بِي مَضْبُوتَا**

رشتوں کو توڑ دینا ہے اور اس میں کم از کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جدال میں کیونکہ ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو مغلوب کرے لہذا یہ عمل دوستی پر منفی اثرات چھوڑتا ہے۔ وَالْمَغَالِبَةُ أَسْبَابُ الْقَطْعِيَّةِ اور ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کے لئے کوشش برائے کی جڑ ہے۔ کیونکہ مغلوب شخص محسوس کرتا ہے کہ وہ غالب کی نظر میں حقیر ہو چکا ہے جبکہ غالب رہنے والا خود کو مغلوب پر برتر محسوس کرتا ہے۔ یہ احساسات دوستانہ تعلقات میں دراڑیں ڈال دیتے ہیں اور دوستی کی بنیادوں کو بلا کر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت علی نے ہمیں متوجہ فرمایا ہے کہ اگر چغل خور لوگ ہمارے بارے میں ہمارے دوستوں کی کہی ہوئی ناروا باتیں ہمیں آ کر پٹائی تو ہمیں ان کی بتائے ہوئی باتوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے: **مَنْ أَطَاعَ الْوَأَشِيَّ ضَيْعَ الصِّدِّيقِ (جو بھئی چغلخور کی بات مانتا ہے وہ اپنے دوست کو ضائع کر دیتا ہے) کیونکہ چغلخور کا تو کام ہی منفی اور بری باتوں کو ایک دوسرے سے بیان کرنا ہے اور اس طرح وہ دوستوں کے درمیان قائم پرانی دوستیوں کو بھی نابود کردیتا ہے اور بنیادی طور پر چغلخور کا مقصد بدی پھیلانے اور ایک دوسرے کے درمیان جدائی ڈالنے کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔**

حضرت علی نے اپنی وصیت میں محمد بن حنفیہ سے فرمایا: **إِيَّاكَ وَالْعُجْبَ (خود پسندی سے پرہیز کرنا)۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ پر ناز کرنے لگو اور اپنی شخصیت کو بزرگ و برتر سمجھنے لگو۔ وَسَوْءَ الْخُلُقِ (بد اخلاقی سے پرہیز کرنا)۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ برے اخلاق سے پیش آؤ بد کلامی کرو اور سخت رویہ اختیار کرو۔ وَقِلَّةِ الصَّبْرِ (کم حوصلگی اور بے صبری سے پرہیز کرنا)۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دوسروں کی بد سلوکی اور ان کی اذیت و آزار (خواہ عمداً ہو یا بھولے سے) کو برداشت نہ کرو اور خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر کوئی تمہیں اذیت پہنچائے تمہارے ساتھ بد سلوکی کرے اور تم ایک مدت تک حقیقت واضح ہونے کا انتظار نہ کرو۔ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَقِيمُ لَكَ عَلَى يَدِهِ الْخِصَالُ الثَّلَاثُ صَاحِبٌ (اس لئے کہ تم میں) ان تین صفات کے ہوتے ہوئے کوئی تمہاری دوستی پر باقی نہیں رہے گا۔) کیونکہ اگر تم اپنے دوستوں کے سامنے اپنی برتری اور فوقیت جتائو گے اور یہ کہو گے کہ میں تم سے برتر ہوں اور تم پست ہو یا ان کے ساتھ بد سلوکی کرو گے یا تعلقات کے دوران پیش آنے والی کمزوریوں کو برداشت نہ کرو گے تو پھر دوستی اور رفاقت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ وَلَا يَزَالُ لَكَ عَلَيْهَا مِنَ النَّاسِ مَجَانِبٌ ان صفات اور ایسی شخصیت کی بنا پر لوگ تم سے گریز کریں گے اور تم لوگوں سے کٹ کے رہ جاؤ گے۔**

بدگمانی کی ممانعت

امام علی نے ہمیں دوستوں کے بارے میں بدگمانی سے منع فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات ہم دوستوں سے یا اسی طرح دوسرے افراد سے ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھتے ہیں جسے ہم نیکی اور حسن نیت پر مبنی بھی سمجھ سکتے ہیں اور اسے شر اور پیدی سے پھٹی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی موقع کے لئے امام علی نے فرمایا ہے: **إِيَّاكَ وَسَوْءَ الظَّنِّ (بدگمانی سے پرہیز کرو) یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے منفی پہلو کو اس کے مثبت پہلو پر ترجیح دو۔ کیونکہ اس طرح تم دوسروں پر اعتماد کرنا چھوڑ دو گے۔ اور تم اگر دوسروں پر اعتماد سے محروم ہو جاؤ بالخصوص جبکہ وہ تمہارے دوست بھی ہوں تو یہ بد اعتمادی ممکن ہے تمہارے تعلقات کا خاتمہ کر دے اور تمہاری دوستی میں شگاف ڈال دے اور دوسرے لوگوں سے تمہارے روابط کو پیچیدگیوں کا شکار کر دے۔ حضرت علی نے سے ایک جملہ نقل ہوا ہے جو انسان کو ایک اصول فراہم کرتا ہے**

جو بتاتا ہے کہ انسان جب بھی کسی دوسرے انسان کے کسی قول یا عمل کا سامنا کرے تو اس کے بارے میں مثبت رائے رکھے۔ حضرت فرماتے ہیں: صَعَّ أَمْرَ أَخِيكَ عَلَيَّ أَحْسَنَهُ (اپنے بھائی کے عمل کی توجیہ بہترین گمان سے کرو)۔ یعنی اگر تمہارا دینی بھائی کوئی ایسا کام انجام دے جو مختلف احتمالات اور پہلوئوں کا حامل ہو۔ یعنی اس میں اچھا احتمال بھی پایا جاتا ہو اور برا احتمال بھی تو برے احتمال پر اچھے احتمال کو فوقیت دو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس پر برائے کا حکم نہ لگائو جبکہ اس سے اچھے کا پہلو نکالنا بھی ممکن ہو۔ وَلَا تَطْنَنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ أَخِيكَ سَوْءًا وَأَنْتَ تَجِدَلُهَا فِي الْخَيْرِ مَحْمُولًا اپنے بھائی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کے متعلق بدگمانی سے کام نہ لو جبکہ تم اس کلام کے متعلق اچھا احتمال بھی دے سکتے ہو۔ بالفرض اس کی بات میں ۹۹ فی صد بری نیت نظر آ رہی ہو اور صرف ایک فی صد اچھی نیت کا امکان دکھائی دے رہا ہو تو کہو کہ شاید یہی ایک فی صد والا پہلو اس کی مراد ہو۔

اور اسلام اسی نظریے پر اپنے ماننے والوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے جو اسلام کے عدالتی اصولوں سے سازگار ہے۔ اگر ملزم پر الزام ثابت نہ ہو سکے تو ایسے مواقع پر وہ بری ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے ہاتھ میں ریوالور ہو اور اس کے سامنے ایک لاش پڑی ہوئی ہو، تو فوراً ہی یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے کہ جس شخص کے ہاتھ میں ریوالور ہے وہی قاتل ہے۔ اسلامی عدالت کہتی ہے کہ یہ شخص ملزم ہے اسے مجرم نہ کہو جب تک کہ دلائل اور ثبوت اس کے جرم کو ثابت نہ کر دیں کیونکہ ممکن ہے کچھ نامرئی اور پوشیدہ عوامل سامنے آئیں جن کی بنیاد پر وہ شخص جرم سے بری ہو جائے۔ البتہ قدرتی بات ہے کہ حسن ظن رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم ملزم کو جرم سے سو فی صد بری سمجھیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ نہ اسے صد فی صد مجرم سمجھیں اور نہ ہی اسے صد فی صد بے گناہ جانیں۔ بلکہ اس جگہ اور اس سے ملتی جلتی صورتوں میں فرد کو صرف ملزم سمجھیں یہاں تک کہ حقیقت امر واضح ہو جائے۔ اور اصولاً ملزم و مجرم میں فرق ہے دونوں بالکل علیحدہ مقولے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: لَا يَغْلِبُنْ عَلَيْكَ سَوْءُ الظَّنِّ فَإِنَّهُ لَا يَدْعُ بَيْنَكَ وَبَيْنَ صَدِيقٍ صَفْحًا كَهَيْسَلِ الْإِسَانِ بُوَ كَمَا تَمُّرُ بِرِيسَالِهِ بَدِغْمَانِي غَالِبٌ أَجَاءَ۔ اس صورت میں تمہارے اور تمہارے دوست کے درمیان بخشش اور درگزر کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر کسی کے منہ سے کوئی اچھا کلمہ سنیں تو اسے برے کلمے میں تبدیل کر دیتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں میں کوئی خوبی نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے لوگ ان بدبخت افراد کی مانند ہیں جن کی نظر میں زندگی کا صرف تاریک پہلو ہوتا ہے۔

مثلاً عباسی دربار کے معروف شاعر ابن رومی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز میں سے منفی پہلو نکالنے میں ماہر تھا۔ ایک مرتبہ اس کے کچھ دوستوں نے تفریح کا پروگرام بنایا اور اسے مدعو کرنے کے لئے ایک شخص کو جس کا نام حسن تھا اس کے پاس بھیجا۔ جب حسن ابن رومی کے پاس پہنچا تو ابن رومی نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: حسن۔ یہ سن کر ابن رومی نے لفظ حسن کے الفاظ کی جگہوں کو تبدیل کر دیا اور کہا: نَحْسًا یعنی تم نحس اور بد شگون ہو اور یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔ اس کے دوستوں نے دوسرے شخص کو بھیجا جس کا نام اقبال تھا۔ ابن رومی نے اس کے نام کے حروف کو ادل بدل دیا اور کہا: لَابِقًا (نہ رہنے والا) اور دروازہ بند کر لیا۔ جی ہاں! بعض افراد ابن رومی کی طرح نفسیاتی الجھائو (Complex) کا شکار ہوتے ہیں اور لوگوں کے بارے میں بدگمان رہتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ کوئی ایسی بات کرتے ہیں جس میں خیر کا احتمال پایا جاتا ہے نیز بہت سے صحیح معنی موجود ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے لوگ اس بات میں سے برے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں اور اسکے بارے میں اچھے احتمال کا اظہار نہیں کرتے۔ یہ بات ہمیں سیاسی اعتقادی اجتماعی اور

شرعی مسائل میں بھی نظر آتی ہے۔ ایسے افراد کے نزدیک بدگمانی سے زیادہ کوئی دوسری چیز اہم نہیں ہوتی اور جب انہیں ٹوکا جاتا ہے کہ اس درجہ بدگمانی نہ کرو تو جواب میں کہتے ہیں: سوء الظن من حسن الفطن (بدگمانی ذہانت اور چالاکی میں سے ہے) جبکہ انہیں معلوم نہیں کہ بدگمانی نہ صرف ذہانت کی علامت نہیں بلکہ عدالت عقل اور حکم شرعی کے برخلاف ہے بالخصوص اس وقت جب بدگمانی کسی فرد کے متعلق حکم کی بنیاد و اساس بن جائے۔ دوستی کے رشتے میں استحکام اور مضبوطی سے متعلق حضرت امام علیؑ کی ایک حدیث ہے: مَنْ تَأَقَّشَ الْإِخْوَانَ قَلَّ صَدِيقُهُ جو کوئی اپنے دوستوں سے کڑا حساب لیتا ہے ان پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے اس کے دوست کم ہوجاتے ہیں۔ لہذا یہ کوشش نہیں ہونی چاہئے کہ اپنے دوستوں کی بات بات پر نکتہ چینی کرو اور ان کی ایک ایک سانس تک شمار کرو کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں جس میں سے خامیاں نہ نکالی جا سکیں۔ بقول شاعر

إِذَا كُنْتَ فِي كُلِّ الْأُمُورِ مُعَاتِبًا

صَدِيقَكَ لَمْ تَلَقِ الْإِذَى لِاتِّعَاقِبِهِ

اگر طے ہو کہ دوست اور دوستی کی دنیا میں تحقیق کی جائے تو تمہیں کوئی ایسا دوست نہ ملے گا جس کی سرزنش نکتہ چینی اور باز پرس ممکن نہ ہو۔ ہر انسان سے لغزش انحراف اور بے فائدہ عمل سرزد ہو سکتے ہیں جنہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر امام علیؑ نے فرمایا ہے: مَنْ تَأَقَّشَ الْإِخْوَانَ قَلَّ صَدِيقُهُ جو بھی اپنے دوستوں پر نکتہ چینی کرتا ہے اس کے دوست کم ہوجاتے ہیں۔ جی ہاں نکتہ چینی ایک ایسا عمل ہے جو دوستوں کی تعداد کم کردیتا ہے۔

دوست بڑھانے کے طریقے

کیا چیزیں ہیں جو دوستوں میں اضافے کا باعث ہوتی ہیں؟ یہاں ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ اجتماعی مسائل میں بھی اہل بیتؑ ہمارے معلم ہیں۔ حضرت امام حسینؑ عسکری فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ الْوَرَعَ سَجِيئَةً وَالْكَرَمَ طَبِيعَةً وَالْجَلْمَ خَلْتَهُ كَثُرَ صَدِيقُهُ وَالثَّنَاءُ عَلَيْهِ وَأَنْتَصَرَ مِنْ أَعْدَائِهِ يَحْسِنُ الثَّنَاءُ عَلَيْهِ پربیز گاری جس کی عادت بن جائے کرم و بخشش جس کی سرشت ہو اور حلم و بردباری جس کی شان ہو اس کے دوست زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کثرت سے کی جاتی ہے اور اسی تعریف کی مدد سے وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوجاتا ہے۔ یعنی ان صفات اور خصوصیات کی وجہ سے وہ لوگوں کے دل جیت لیتا ہے اس کے دوست زیادہ ہوجاتے ہیں اور اس کی محبوبیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اس صلاحیت کے ذریعے دشمنوں پر کامیابی حاصل کرتا ہے اور اس کے دشمن بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے زہری کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے کہ: ایک روز آپ نے زہری کو دیکھا کہ وہ حاسدوں اور ان لوگوں کی وجہ سے غمگین اور رنجیدہ خاطر ہیں جن پر انہوں نے احسانات کئے تھے (یاد رہے کہ زہری امام سجادؑ کے اصحاب میں سے تھے اور انہوں نے حضرت سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں) امام نے زہری سے غم و اندوہ کا سبب دریافت کیا تو زہری نے عرض کیا: میں لوگوں کے ساتھ نیکی کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ ایسے افراد کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہوں کہ جو ان چیزوں کی وجہ سے مجھ سے حسد کرتے ہیں جو پروردگار عالم نے مجھے عطا کی ہیں اور میرے لئے بہت سی انفرادی اور اجتماعی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔

(بالکل ویسی ہی مشکلات جیسی حاسداور احسان فراموش بد خواہ افراد کی طرف سے بہت سے انسانوں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔)

امام سجاد نے ان سے فرمایا: اَمَّا عَلَيْكَ اَنْ تَجْعَلَ الْمُسْلِمِينَ مِنْكَ يَمَنْزِلَةَ اَبْلِ بَيْتِكَ تمہیں چاہئے کہ تم تمام مسلمانوں کو اپنے اہل خانہ کی طرح سمجھو۔ یعنی اگر مشکلات سے نجات چاہتے ہو تو اپنی فکر و نظر کو تبدیل کرو اور اسلامی سماج کے ہر فرد کو اپنے افراد خانہ کی طرح سمجھو اور دیکھو کہ انسان اپنے گھر کے چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے؟ پس تمام مسلمانوں کے ساتھ ایسے ہی پیش آؤ۔ پروردگار عالم نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آئیں اور ان سے برادرانہ سلوک کریں۔ ارشاد الہی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (بلاشبہ تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں) یعنی پروردگار عالم نے ان کے درمیان قائم ایمانی رشتے کو سب سے مضبوط رشتہ قرار دیا ہے۔ لہذا تم بھی تمام مسلمانوں کو ایک کنبے کے افراد شمار کرو جس میں سب مل جل کر رہتے ہیں۔ فَتَجْعَلَ كَبِيرَ بَمِ يَمَنْزِلَةِ وَاٰلِدِكَ (ان کے بڑوں کو اپنے والد کا درجہ دو) اور ان کا اسی طرح احترام کرو جیسے اپنے والد کا احترام کرتے ہو۔ وَتَجْعَلَ صَغِيرَهُ يَمَنْزِلَةَ وَاٰلِدِكَ (اور ان کے چھوٹوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھو)۔ لہذا ان کے ساتھ اسی طرح شفقت اور محبت سے پیش آؤ جیسے اپنے بچوں سے پیش آتے ہو۔ وَتَجْعَلَ تَرَبُّكَ يَمَنْزِلَةَ اَخِيكَ فَاَيُّ بَوْلًا تَجِبُ اَنْ تَظْلِمَ (اور اپنے ہم سن و سال افراد کو اپنے بھانوں کی طرح سمجھو۔ جب صورتحال یہ ہو تو تم خود ہی بتاؤ کہ ان میں سے کس پر ظلم و زیادتی کرنا پسند کرو گے؟)۔

کیا عقل سلیم رکھنے والے کسی انسان کو یہ بات پسند ہو گی کہ وہ اپنے والد اپنے بچوں یا اپنے بھانوں پر ظلم کرے؟ واضح ہے کہ جب مسلمانوں کو اس نگاہ سے دیکھو گے اور ان کے متعلق اس طرح کا شعور و احساس رکھو گے تو لازماً ان کے ساتھ اس طرح پیش آؤ گے کہ ان پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی نہ ہو کیونکہ انسان برگز نہیں چاہتا کہ خود سے وابستہ افراد میں سے کسی پر ظلم کرے۔ اِنْ عَرَضَ لَكَ اِبْلِيْسُ (لَعْنَةُ اللّٰهِ) اَنْ لَّكَ فَضْلًا عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ اَبْلِ الْقِبْلَةِ (اور اگر شیطان (لعنتہ اللہ) تمہارے سامنے یوں ظاہر کرے کہ تم مسلمانوں میں سے کسی سے برتر اور افضل ہو)۔ ممکن ہے کہ شیطان تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرے کہ تمہیں دوسروں پر برتری حاصل ہے۔ صرف تم نیک کام انجام دیتے ہو دوسروں کی خدمت کرتے ہو اور سماج کی اصلاح کے لئے کوشاں ہو لہذا سب پر لازم ہے کہ تمہاری اطاعت کریں اور تمہارے سامنے سر تعظیم خم کریں۔ ہاں بعض لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ جتنی ان کی شہرت بڑھتی ہے اتنا ہی وہ یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ وہ لوگوں پر حق رکھتے ہیں جبکہ لوگوں کو ان پر کوئی حق حاصل نہیں۔ لہذا وہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی خدمت کریں اور وہ کسی کی خدمت نہ کریں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ نیکی اور احسان ہو لیکن وہ کسی کے ساتھ نیکی و احسان نہ کریں۔ پس اگر شیطان تمہارے دل میں یہ خیال پیدا کر دے کہ تمہیں کسی پر فوقیت حاصل ہے تو: اِنْ كَانَ اَكْبَرَ مِنْكَ فَقُلْ قَدْ سَبَقَنِي بِالْاِيْمَانِ وَالْعَمَلِ الصّٰلِحِ (اگر وہ شخص تم سے عمر میں بڑا ہے تو اپنے آپ سے کہو کہ وہ ایمان اور عمل صالح میں مجھ سے سابق ہے)۔ یعنی شیطان کے اس فریب اور وسوسے کے متعلق خود اپنے آپ سے کلام کرو اور اس شخص کے بارے میں معلومات کرو اگر وہ تم سے عمر میں بڑا ہو تو اپنے آپ کو سمجھائو کہ اسے مجھ پر فضیلت حاصل ہے۔

کیونکہ اگر مجھ میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں جن کی بنیاد پر میں اس سے بہتر ہوں تب بھی وہ مجھ سے پہلے دنیا میں آنے کی وجہ سے ایک باایمان اور صالح زندگی گزارنے میں مجھ سے سبقت رکھتا ہے۔ جب میں پیدا بھی نہ ہوا تھا وہ اس سے قبل ہی ایمان

اور عمل صالح کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا: فَهَوَّ خَيْرٌ مِّنِّي (لہذا وہ مجھ سے بہتر ہے)۔ وَأَنْ كَانَ أَصْغَرَ مِنْكَ فَقُلْ قَدْ سَبَقْتَهُ بِالْمَعَالِمِ وَالذُّنُوبِ فَهَوَّ خَيْرٌ مِّنِّي (اور اگر وہ عمر میں تم سے چھوٹا ہے تو اپنے آپ سے کہو کہ گناہ اور نافرمانی میں میں اس پر سبقت رکھتا ہوں لہذا وہ مجھ سے بہتر ہے) (میں معصوم تو ہوں نہیں نیز اس سے پہلے بالغ اور سن شعور کو پہنچا ہوں اور اس سے پہلے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں لہذا وہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ میرے گناہ اس سے زیادہ ہیں۔ وَأَنْ كَانَ تَرَبُّكَ فَقُلْ أَنَا عَلَىٰ يَقِينٍ مِنَ الدُّنْيَا وَفِي شَكٍّ مِنْ آمَرِهِ فَمَا أَدَعِ يَقِينِي لِشَكِّي (اور اگر وہ سن و سال میں تمہارے برابر ہے تو اپنے آپ سے کہو کہ اپنے گناہوں کے بارے میں تو مجھے یقین ہے لیکن اس کے گناہوں کے متعلق شک رکھتا ہوں۔ پس میں شک کی بنیاد پر یقین کو نہیں چھوڑ سکتا) مجھے اپنے گناہوں کا تو علم ہے لیکن اس کے گناہوں کے بارے میں نہیں جانتا۔ مجھے اپنے انجام دیئے ہوئے گناہوں کے بارے میں تو یقین ہے لیکن اس کے گناہوں کا علم نہیں اور اس بارے میں شک کا شکار ہوں لہذا کیسے اپنے یقین کو ترک کر کے شک پر تکیہ کروں۔ یوں اس طرح وہ مجھ سے بہتر ہے۔ وَإِنْ رَأَيْتَ الْمُسْلِمِينَ يَعْظُمُونَكَ وَيُوقِرُونَكَ وَيَجِئُونَكَ فَقُلْ بَدَأَ مِنْ فَضْلِ أَخْذِيهِمْ (او راگر دیکھو کہ مسلمان تمہاری تعظیم و توقیر کر رہے ہیں او ر تم کو چاہتے ہیں تو کہو کہ (ان کا یہ طرز عمل) ان کی حاصل کردہ فضیلت ہے)۔ بعض لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ انہیں بڑا سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں ان کی تعظیم کر رہے ہیں یا ان کے لئے راستہ چھوڑ رہے ہیں یا ان کے نام کے نعرے بلند کر رہے ہیں تو خود میں نے سماتے اپنے آپ کو دوسری ہی دنیا کی مخلوق سمجھنے لگتے ہیں جبکہ اگر حقیقت امر جاننا چاہیں تو حقیقت یہ ہے کہ احترام کرنے والے یہ افراد ان پر برتری رکھتے ہیں کیونکہ ان لوگوں پر ان کا احترام کرنا واجب نہ تھا (یہ تو ان لوگوں کے عظمت ہے کہ انہوں نے ان کا احترام کیا) حتیٰ بعض مواقع پر تو یہ لوگ اس قابل بھی نہ تھے کہ ان کا احترام کیا جاتا۔

بمیں امیر المومنین حضرت علیؑ سے عاجزی اور انکساری کا درس لینا چاہئے جبکہ آپ مقام عصمت پر فائز تھے اور اگر اس سے بھی بلند کوئی مقام فرض کیا جا سکتا ہے تو آپ اس پر فائز ہیں لیکن اسکے باوجود آپ خدا اور بندگانِ خدا کے سامنے تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے اور جب بھی کوئی آپ کی تعریف کرتا تھا خوفِ خدا کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ خَيْرًا مِّمَّا يَطْنُوْنَ وَاغْفِرْ لِيْ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ پروردگار ا! یہ جیسا مجھ کو سمجھتے ہیں اس سے بہتر قرار دے او رمیری جن لغزشوں کو تو جانتا ہے اور یہ نہیں جانتے ان کو بخش دے۔ اور حضرت امام سجادؑ دعائے مکارم الاخلاق میں ہمیں تعلیم دیتے ہیں (میری نصیحت ہے کہ اس دعا کو روزانہ پڑھئے کیونکہ یہ دعا ہمارے سامنے بہترین انداز میں اخلاقی اور تربیتی راہ و روش کی نشاہدہی کرتی ہے۔ اور کوئی اخلاقی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر اس دعا میں نہ کیا گیا ہو۔ لیکن افسوس ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم امام سجادؑ کی معرفت نہیں رکھتے نہ صرف امام سجادؑ بلکہ تمام ہی ائمہ کو ہم نے صرف عزاداری تک محدود کر کے رکھ دیا ہے ایک مدرسہ فکر اور وسیع افق کی حامل بستیوں کے طور پر ان سے استفادہ نہیں کرتے۔)

پھر حال امام سجادؑ اس دعا کے ایک حصے میں فرماتے ہیں: اَللّٰهُمَّ لَا تَرْفَعْنِيْ فِي النَّاسِ دَرَجَةً اِلَّا حَطَطْتَنِيْ عِنْدَ نَفْسِيْ مِثْلَهَا وَلَا تُحَدِّثْ لِيْ عِزًّا ظَاهِرًا اِلَّا اَحَدَّثْتَ لِيْ ذِلَّةً بَاطِنَةً عِنْدَ نَفْسِيْ يَقْدِرْهَا بَارِ الْهٰ ا! لوگوں کے درمیان میرے کسی درجے میں اس وقت تک اضافہ نہ فرمانا جب تک اسی مقدار میں مجھے اپنی نگاہوں میں حقیر نہ کر دے اور کوئی بھی ظاہری عزت و شوکت مجھے نصیب نہ فرما جب تک اسی مقدار میں مجھے خود میری نظروں میں ذلیل نہ کر دے۔ لوگوں سے روابط و تعلقات کے بارے میں امام سجادؑ نے اپنے صحابی زہری کو جو نصیحتیں فرمائیں ہم ایک مرتبہ پھر ان کی طرف آتے ہیں۔ امام نے

فرمایا: وَ إِنْ رَأَيْتَ مِنْهُمْ جَفَاءً أَوْ إِنْقِيَاصًا عَنْكَ فَقُلْ بِذَا الذَّنْبِ أَحَدْتَهُ (اور اگر دیکھو کہ لوگ تم پر ظلم کر رہے ہیں تم سے بے توجہی برت رہے ہیں تو کہو کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے۔) پس اگر دیکھو کہ لوگ تمہاری تعظیم و تکریم نہیں کرتے تم سے محبت سے پیش نہیں آتے تو اسکا قصور وار بھی خود اپنے آپ ہی کو سمجھو یعنی لوگوں کو الزام نہ دو انہیں برا نہ کہو بلکہ خود کو مورد الزام ٹھہرائو کہ تم کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہو یا لوگوں کے حق میں تم نے کوئی کوتاہی کی ہے جس کی وجہ سے وہ تم سے دور ہو گئے ہیں اور یہ خود تمہارے گناہوں کی سزا ہے۔ فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ سَهَّلَ اللَّهُ عَلَيْكَ عَيْشَكَ وَكَثُرَ أَصْدِقَائِكَ وَقَلَّ أَعْدَائُكَ (اگر تم نے اس طرح عمل کیا تو پروردگار عالم تمہاری زندگی کو آسان کر دے گا تمہارے دوستوں میں اضافہ اور تمہارے دشمنوں میں کمی کر دے گا)۔ یعنی اگر اس فکر اور ذہنیت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرو گے تو نہایت عمدہ نتائج دیکھو گے۔ یہاں ہم لوگوں کے ساتھ پیش آنے اور ان کے ساتھ اختیار کئے جانے والے طرز عمل سے متعلق ائمہ علیہم السلام کی ہدایات و رہنمائیوں کے صرف ایک گوشے کو سامنے لائے ہیں۔

دوستی کی حدود

اس حصے میں ہم دوستی اور اس کی حدود کے متعلق گفتگو کرنے جا رہے ہیں اور اسے گفتگو کا آغاز حضرت امام جعفر صادق ؑ کے ایک خوبصورت کلام سے کریں گے: لَأَتَكُونَ الصَّدَاقَةَ إِلَّا يَحْدُودَ بَا فَمَنْ كَانَتْ فِيهِ بَذِيحَةُ الْحُدُودِ أَوْ شَيْءٌ مِنْهَا وَ إِلَّا فَلَا تَنْسِيَهُ إِلَى شَيْءٍ مِنَ الصَّدَاقَةِ بغير حدود کے دوستی نہیں ہوتی۔ پس جس کسی میں یہ حدود یا ان کا کوئی حصہ پایا جائے وہ دوستی کے لائق ہے اور اگر یہ حدود یا ان میں سے کچھ اس میں نہ پائے جائیں تو برگز اسے اپنا دوست مت سمجھنا۔

فَأَوْلَاهَا: أَنْ تَكُونَ سَرِيرَةً وَ عَلَانِيَةً لَكَ وَاحِدَةً پہلی شرط یہ ہے کہ: تمہارے لئے اس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے سامنے تو تمہیں گلے لگائے لیکن پیٹھ پیچھے سے خنجر گھونپے۔ بلکہ سامنے اور پیٹھ پیچھے دونوں مواقع پر تمہارے لئے اس کی محبت اور اس کا خلوص یکساں ہونا چاہئے۔

الثانية: أَنْ يَرَى زَيْنَكَ زَيْنَةً وَ شَيْنَكَ شَيْنَةً دوسری شرط یہ ہے کہ: تمہاری اچھائی کو اپنی اچھائی سمجھے اور تمہاری برائی کو اپنی برائی۔ یعنی تمہاری پسندیدہ صفات اور فضائل کو اپنے لئے خوبی سمجھے اور اگر تمہارے اندر کوئی برائی دیکھے تو اسے تکلیف ہو۔

والثالثة: أَنْ لَا تُغَيِّرَهُ عَلَيْكَ وَ لَأَيَّةً وَ لَأَ مَالٌ تيسرى شرط یہ ہے کہ: اقتدار اور مال و دولت تمہارے ساتھ اس کے طرز عمل میں تبدیلی نہ لا سکے۔ یعنی اگر وہ ایک معمولی فرد تھا نہ اس کے پاس مال تھا نہ منصب و مقام اور تمہارے ساتھ دوستی میں کسی امتیاز کا قائل نہ تھا۔ پھر اس کی قسمت نے یاوری کی اسے منصب و مقام حاصل ہو گیا وہ مال و دولت کا مالک ہو گیا اس کے باوجود اس نے رشتہ دوستی استوار رکھا اور ایسے رہا جیسے کچھ بدلا ہی نہ ہو تو ایسا شخص تمہارا سچا دوست ہے اس کی دوستی کی حفاظت کرو اور اس سے ہم نشینی کے مشتاق رہو۔

والرابعة: لَأَ يَمْنَعُكَ شَيْئًا تَنَالَهُ مَقْدَرَتُهُ چوتھی شرط یہ ہے کہ: جو چیز اسے حاصل ہو اور تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے تو اسے دینے سے منع نہ کرے۔

والخامسة: وَ يَ اللّٰتِي تَجْمَعُ بِذِهِ الْخِصَالَ: اَنْ لَا يُسَلِّمَكَ عِنْدَ النَّكَبَاتِ۔ پانچویں شرط جو گزشتہ تمام شرائط کو اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ: مصیبت میں تمہیں تنہا نہ چھوڑے۔ یعنی جب گردشِ زمانہ تمہیں جکڑ لے اور تم مصائب و مشکلات میں پھنس جاؤ تو تم سے آنکھیں نہ پھیر لے بلکہ تمہارے سخت حالات کو دیکھنے کے بعد خنداں پیشانی کے ساتھ ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے تمہیں تقویت پہنچائے اور مشکلات کے بہنور سے تمہیں صحیح و سالم باہر نکال لے۔ آج کے زمانے میں پہلا ایسے دوست کہاں ملتے ہیں؟ امام علیؑ کے کلام میں یہی ملتا ہے کہ: لَا يَكُونُ الصَّدِيقُ صَدِيقًا حَتَّى يَحْفَظَ آخَاهُ فِي ثَلَاثٍ فِي نَكْبَتِهِ وَ غَيْبَتِهِ وَ وَقَاتِهِ كَوْنِي دُوسْتِ اس وقت تک دوست نہیں ہو سکتا جب تک کہ تین مواقع پر اپنے بھائی کا خیال نہ رکھے۔ مشکلات میں اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی وفات کے بعد۔ زمانے کی مشکلات اور ان کے حملوں سے اسے محفوظ رکھے اور اگر لوگ پس پشت اس کی غیبت کریں تو نہ کرنے دے اور کوشش کرے کہ دوسرے اس کے دوست کو صرف اچھے الفاظ سے یاد کریں اور موت کے وقت اور موت کے بعد اس کے اہل و عیال کا خیال رکھے۔ نیز آپ ہی نے فرمایا ہے: الصَّدِيقُ الصَّدُوقُ مَنْ نَصَحَكَ فِي عَيْبِكَ سِجَاً اَوْ مَخْلَصٌ دُوسْتِ وَ هُوَ جُو تَمَّارِے نَقْصِ وَ عَيْبِ كِي اَصْلَاحِ كِے لَے تَمَّارِے نَصِيحَتِ كِے۔ پس جیسے ہی تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے تمہیں اس سے آگاہ کرے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ مخلص دوست کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا دوست ہر طرح کے عیب سے پاک ہو۔ مشہور و معروف حدیث ہے: اَلْمُؤْمِنُ مِرَاةٌ اَخِيهِ (مومن اپنے بھائی کے لئے آئینہ ہے) مراد یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنے بھائی کے اندر دیکھو۔ یعنی بعض اوقات تمہارا بھائی تمہارے بارے میں کچھ ایسی چیزوں کو جانتا ہے جن سے خود تم بھی واقف نہیں ہوتے۔ بالکل اسی طرح جیسے تمہارے چہرے کی خوبصورتی جسے تم خود نہیں دیکھ سکتے آئینہ دکھا دیتا ہے۔ وَ حَفَظَكَ فِي غَيْبِكَ وَ اَثَرَكَ عَلٰی نَفْسِي (تمہارا حقیقی دوست وہ ہے جو تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری حفاظت کرے اور اپنے آپ پر تمہیں ترجیح دے) لہذا جب کبھی ایسا ہو کہ ایک چیز بیک وقت تمہاری بھی ضرورت ہو اور اس کی بھی ضرورت تو اپنے آپ پر تمہیں ترجیح دے۔

نیز آپ ہی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: الصَّدِيقُ مَنْ كَانَ نَاهِيًا عَنِ الظُّلْمِ وَ العُدْوَانِ (تمہارا دوست وہ ہے جو تمہیں ظلم اور سرکشی سے روکے)۔ یعنی اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کا دوست گھر میں اپنے اہل خانہ پر ظلم کر رہا ہے یا باہر لوگوں پر ستم ڈھا رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس ظلم میں اس کی مدد نہیں کرتا بلکہ اسے ظلم و ستم سے روکتا ہے۔ نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے معروف عربی جملے: اَنْصِرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُومًا (اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے ظالم ہو یا مظلوم) کے متعلق پیغمبر اکرم سے سوال کیا اور آنحضرت سے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں لیکن ظالم کی مدد کے کیا معنی ہیں؟ آنحضرت نے جواب میں فرمایا: ظالم کی مدد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے ظلم کرنے سے روکو نفسِ امارہ پر غلبے کے سلسلے میں اسکی مدد کرو تاکہ اسی طرح وہ دوسروں پر ظلم کا مرتکب نہ ہو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: الصَّدِيقُ مَنْ كَانَ نَاطِقًا عَنِ الظُّلْمِ وَ العُدْوَانِ مَعِينًا عَلٰی الْبِرِّ وَ الْاِحْسَانِ تمہارا دوست وہ ہے جو ظلم اور سرکشی سے تمہیں روکے اور بھلائی و نیکی میں تمہاری مدد کرے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر بھی حضرت سے نقل ہوا ہے کہ: اِنَّمَا سَمِيَ الصَّدِيقُ صَدِيقًا لِئَنَّهُ يَصْدُقُكَ فِي نَفْسِكَ وَ مَعَايِكَ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَاسْتَنْمِ اِلَيْهِ فَإِنَّهُ الصَّدِيقُ دُوسْتِ كُو صَدِيقِ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ تمہاری ذات اور تمہارے عیوب کے متعلق صداقت کا اظہار کرتا ہے۔ لہذا جو شخص ایسا کرے تم اس کے ساتھ مطمئن رہو اس لئے کہ وہ تمہارا مخلص دوست ہے۔

قارئین محترم! ان کلمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علیؑ اجتماعی زندگی کی باریکیاں سمجھنے میں عظیم مرتبے پر فائز تھے۔ یہی وہ راز ہے کہ جس کی بنا پر ہم مسلسل حضرت علیؑ کو سمجھنے اور آپ کو پہچاننے کی دعوت دیتے ہیں۔ البتہ ہم اس دعوت کے ذریعے یہ نہیں چاہتے کہ آپ یہ جاننے میں لگ جائیں کہ حضرت نے عرب کے بہادروں اور مشرک سرداروں جیسے مرحب، عمرو بن عبدود وغیرہ کو کیسے زیر کیا بلکہ ہماری دعوت کا مقصد یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ آپ کس طرح تاریکیوں اور جہل سے پردہ اٹھاتے تھے اور کس طرح عام اذہان کے لئے حقائق کی وضاحت فرماتے تھے۔ نہیں پتا اگر آج امام علیؑ ہمارے درمیان موجود ہوں تو ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟ کس طرح پیش آئیں اور ہمارا رویہ آپ کے ساتھ کیا ہو۔؟ عمر بن خطابؓ نے حضرت علیؑ کی عظیم فکر اور دور اندیشی کے متعلق کہا ہے: لَوْ وَلِيَهَا عَلِيٌّ لَحَمَلَهُمْ عَلَيَّ الْمَحَجَّةَ الْبَيْضَاءِ (اگر حکومت علیؑ کے ہاتھوں میں ہوتی تو وہ لوگوں کو حق اور روشن راستے کی طرف لاتے)۔ لیکن کون اس درست اور روشن راستے کو قبول کرتا؟ خود آنحضرت نے فرمایا ہے: مَا تَرَكَ لِي الْحَقُّ مِنْ صَدِيقٍ (حق نے میرے لئے کوئی دوست باقی نہ چھوڑا)۔ یعنی میں حق پر عمل کرنے میں اس قدر باریک بین سنجیدہ اور سخت گیر تھا کہ میرے دوست بھی مجھ سے منہ موڑ گئے۔ نیز حضرت نے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: صَدِيقُكَ مِنْ نَهَائِكَ عَنِ ارْتِكَابِ الْمَأْثِمِ وَالذَّنُوبِ وَ عَدُوُّكَ مِنْ اَعْرَاقِ تَمَهَارَا دُوسْتِ وَهٖ بِجُو تَم كُو لُغَزْشُوں اُور گُنَابُوں سَے رُو كَے اُور تَمَهَارَا دُشْمَن وَهٖ بِجُو تَمَهَارَے گُنَابُوں اُور عِيُوْبِ پَر تَمَهِيں فَرِيْب دَے اُور تَمَهِيں گُسْتَاخ كَر دَے۔ مَعْرُوف مِثْل بِے: مَنْ اَبْكََاكَ بَكِيٌّ عَلَيْكَ وَ مَنْ اَضْحَكَكَ ضَحِكًا عَلَيْكَ (جو تم کو رلائے تم پر رویا اور جو تم کو ہنسائے وہ تم پر ہنسا)۔ یعنی اگر تم سے رونے کو کہا اور تم روئے تو وہ خودبھی تمہارے ساتھ تم پر رویا اور اگر تم سے ہنسنے کو کہا تم کو ہنسا یا اور خود بھی تمہارے ساتھ ہنسا۔ یعنی خوشی و غمی کے تمام مراحل میں تمہارا ہمدل و ہمدم رہا۔ لیکن افسوس بعض افراد صرف اس کے دوست ہوتے ہیں جو ان پر ہنستے ہیں اور جو ان کے لئے روتے ہیں ان کو نہیں چاہتے اور دوست نہیں رکھتے۔

دوستی سے پہلے آزمائش

لوگوں کی اکثریت کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا ان کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ لہذا انسان پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرے اور ان کو اچھی طرح پہچانے اور یہ شناخت خواہ ان لوگوں سے میل جول کے دوران ذاتی تجربے کے ذریعے حاصل کرے یا ان قابل اعتماد اشخاص کے ذریعے حاصل کرے جو ان کے یہاں رفت و آمد رکھتے ہیں اور ان کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اور یہ امر صرف دوستی و رفاقت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام تعلقات شادی بیاہ اور دیگر روابط میں اسے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ شادی کے مسئلے میں ضروری ہے کہ مرد غور کرے کہ اپنی ہونے والی بیوی سے کیا چاہتا ہے اور شادی سے قبل اسکی شخصیت کے مختلف عناصر کے متعلق تحقیق کرے اور یہی باتیں عورت کو بھی ہونے والے شوہر کے متعلق ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ اسے بھی جاننا چاہئے کہ اس کے ہونے والے شوہر میں کن صفات کا ہونا ضروری ہے؟ اور وہ خصوصیات اس مرد میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ شادی سے پہلے کی یہ تحقیق و معلومات ان کی آئندہ ازدواجی زندگی کی سلامتی کی ضامن ہیں۔ میرے عزیز و! یہی وجہ ہے کہ شادی میں والدین کو لڑکے اور لڑکی پر اپنی رائے مسلط نہیں کرنی چاہئے اور ان سے تحقیق اور انتخاب کا حق نہیں چھین لینا چاہئے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ والدین خاندانی مصلحتوں اور خاندانی روابط یا دوستیوں کو مستحکم کرنے کی خاطر اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کی شادی

جَوْرٌ وَ اَبْلُهُ اَبْلٌ غَدْرٌ فَالطَّمَّائِنَةُ اِلَى كُلِّ اَحَدٍ عَجَزٌ جَبِ اِيسَا زَمَانِهٖ بُوَحْسٌ مِیْنِ ظَلْمٍ وَ جَوْرِ كَا دُورِ دُورِهٖ بُو اَوْر جَبِ اَبْلِ زَمَانِهٖ دَهْوَكِهٖ بَازِ اَوْر فَرِیْبِیٖ بُوْنِ تُو اِیْسَے دُورِ مِیْنِ بَرِ اِیْكَ پَرِ بَهْرُوسِهٖ كَرِ لَیْنَا عَجَزٌ وَ نَاتُوَانِی (كَامُوجِب) ۛے۔ یَعْنِی جَبِ كِبْهٰی اِیْسَا دُورِ بُو كِهٖ اَفْرَادِ مَعَاشِرِهٖ اِیْكَ دُوسَرِے پَرِ ظَلْمٍ وَ سَتْمِ كَرِیْمِ اِیْكَ دُوسَرِے كِی حَقِّ تَلْفِی كَرِیْمِ اِیْكَ دُوسَرِے كَے سَاثِهٖ كَے كَے عَهْدِ وَ پِیْمَانِ نَهٗ نِبْهَائِیْمِ اِیْكَ دُوسَرِے كَے سَاثِهٖ دَهْوَكِهٖ وَ فَرِیْبِ كَے مَرْتَكَبِ بُوْنِ تُو اِیْسَے دُورِ مِیْنِ كَسِی پَرِ اَطْمِیْنَانِ وَ اَعْتِمَادِ نَهٗ كَرْنَا خُودِ كُو دَسْتِ بَسْتِهٖ كَسِی كَے حَوَالِے نَهٗ كَرِ دِیْنَا بَلَكِهٖ بَرِ اِیْكَ كُو اَزْمَانَا تَاكِهٖ اَسِ كِی حَقِیْقَتِ تَمِ پَرِ وَاضِحِ بُو جَاۛے كِهٖ ظَالِمٍ وَ سَتْمِ گَرِ ۛے یَا وَفَادَارِ اَوْر عَادِلٍ؟ اِیْكَ حَدِیْثِ مِیْنِ حَضْرَتِ عَلِیِّ سَفْرَمَاتِے ۛیْمِ: لَا تَتَّقِ بِالصَّدِیْقِ قَبْلَ الْخَبْرِۛ كَسِی دُوسْتِ پَرِ اَسِ وَقْتِ تَكِ بَهْرُوسِهٖ نَهٗ كَرُو جَبِ تَكِ اَسَے پَرَكِهٖ نَهٗ لُو۔ اَكْرَ مَخْصُوصِ حَالَاتِ اَوْر رُوزِ مَرِهٖ زَنْدِگِی مِیْنِ سَمَاجِی تَعْلُقَاتِ كَے دُورَانِ اَپِ كِی كَسِی سَے شَنَاسَاۛ بُو جَاۛے پَهْرِ وَهٗ اَپِ كَا دُوسْتِ بِنِ جَاۛے تُو فُورَاۛ ۛی اَسِ پَرِ اَعْتِمَادِ نَهٗ كَرِ لَیْجَے اِپْنِی زَنْدِگِی كَے رَازُوْنِ اَوْر پُوشِیْدِهٖ بَاتُوْنِ سَے اَسَے اَكَاہِ نَهٗ كَرِ دِیْجَے اَوْر اَسَے اِپْنِی زَنْدِگِی مِیْنِ شَامِلِ نَهٗ كِیْجَے جَبِ تَكِ كِهٖ اَسَے اَزْمَانِهٖ لَیْجَے اَوْر اِجْهٰی طَرَحِ پَرَكِهٖ نَهٗ لَیْجَے كِهٖ وَهٗ اِیْكَ قَابِلِ اَعْتِمَادِ دُوسْتِ كَے مَعِیَارِ پَرِ پُورَا اَتْرَتَا ۛے یَا نَهِیْمِ؟ حَضْرَتِ اِمَامِ مُحَمَّدِ بَاقِرِ سَفْرَمَاتِے ۛیْمِ: تَجَنَّبِ عَدُوْكَ وَ اَحْذَرِ صَدِیْقَكَ مِیْنِ الْاَقْوَامِ اِلَّا الْاَمِیْنِ مَنِ خَشِیَ اللّٰهَ اِپْنِے دَشْمَنِ سَے دُورِ رُوبُو اَوْر قَوْمِ وَ قَبِیْلَے سَے تَعْلُقِ رَكْهَے وَ اَلِے دُوسْتِ سَے مَحْتَاطِ رُوبُو سَوَاۛ اَسِ اَمِیْنِ شَخْصِ كَے جُو خُوفِ خُدا رَكْهَتَا بُو۔ قَدْرَتِی بَاتِ ۛے كِهٖ جُو شَخْصِ كَهْلَا اَوْر اَشْكَارَا دَشْمَنِ ۛے اَسِ سَے اَنْسَانِ كُو دُورِ رَبْنَا چَاۛے كِیونَكِهٖ دَشْمَنِ كِی تُوذَنْبِیْتِ ۛی نَقْصَانِ پَهِنْچَانَا ۛے۔ لَهْذَا اَسِ سَے فَاصِلِهٖ رَكْهْنَا چَاۛے تَا كِهٖ اَسِ كِی طَرَفِ سَے پَهِنْچَے وَ اَلِے نَقْصَانِ سَے مَحْفُوظِ رَے لَیْكِنِ وَهٗ دُوسْتِ جَسِ كِی اَمَانَتِ دَارِی كُو پَرَكِهٖ نَهِیْمِ سَكَے بُو اَسِ سَے مَحْتَاطِ رُوبُو۔ یِهَاں اَسِ نَكْتِے پَرِ تُوْجِهٖ دَلَانَا ضَرْوَرِی ۛے كِهٖ اَحْتِیَاطِ پَرِ عَمَلِ كَرْنِے كَے مَعْنِی یِهٖ نَهِیْمِ كِهٖ دُوسْتِی تَرَكِ كَرِ دِی جَاۛے ۔

لَهْذَا اِمَامِ سَنَے دُو مَخْتَلَفِ الْفَاظِ تَجَنَّبِ اَوْر اِحْذَرِ یَعْنِی دُورِ اَحْتِیَارِ كَرُو اَوْر اَحْتِیَاطِ بَرْتُو كَا اِسْتِعْمَالِ كِیَا ۛے۔ اَوْر اَحْتِیَاطِ كَے مَعْنِی یِهٖ ۛیْمِ كِهٖ مَحْتَاطِ رُوبُو اَوْر خُودِ كُو مَكْمَلِ طُورِ پَرِ اَسِ كَے حَوَالِے نَهٗ كَرْدُو تَا كِهٖ اَكْرَ بَعْدِ مِیْنِ مَعْلُومِ بُو كِهٖ وَهٗ اَمَانَتِ دَارِ اَوْر رَازُوْنِ كَا مَحَافِظِ نَهِیْمِ ۛے تُو اَسِ كَے سَاثِهٖ دُوسْتِی اَوْر تَعْلُقَاتِ پَرِ نَظْرِ ثَانِی كَرَسْكُو ۔ كِیونَكِهٖ مَمْكَنِ ۛے وَهٗ تَمْپِیَارَا دَشْمَنِ بُو اَوْر اَسِ نَے تَمِ سَے اِپْنِی دَشْمَنِی كُو چَهْپَاۛا بُوَا بُو۔ یَقُوْلُ شَاعِرٌ: اِحْذَرِ عَدُوْكَ مَرَّةً وَ اِحْذَرِ صَدِیْقَكَ اَلْفَ مَرَّةً فَلَربَّ مَا اِنْقَلَبَ الصَّدِیْقُ فَكَانَ اَدْرٰی بِالْمُضْرَةِ یَعْنِی اِپْنِے دَشْمَنِ سَے اِیْكَ بَارِ اَحْتِیَاطِ كَرُو اَوْر اِپْنِے دُوسْتِ سَے بَزَارِ بَارِ۔ مَمْكَنِ ۛے دُوسْتِ بَدَلِ جَاۛے اَسِ صُورْتِ مِیْنِ تَمْهِیْمِ نَقْصَانِ پَهِنْچَانِے كَے طَرِیْقُوْنِ سَے دُوسَرُوْنِ سَے زِیَادَهٗ وَاقْفِ بُو گَا۔ ۛے شَكِّ جُو دُوسْتِ اَپِ كَے تَمَامِ اَسْرَارِ سَے وَاقْفِ ۛے اَكْرَ اَپِ كَے اَوْر اَسِ كَے دَرْمِیَانِ كَدُورْتِ پِیْدَا بُو جَاۛے یَا كُوۛی اِخْتِلَافِ جَنَمِ لَے لَے تُو وَهٗ اَپِ كَے تَمَامِ اَسْرَارِ جَنِ كَے اِنْكَشَافِ سَے اَپِ كُو نَقْصَانِ پَهِنْچَے گَا اَپِ كَے دَشْمَنُوْنِ كَے سَاْمَنِے كَهْوَلِ كَرِ بَیَانِ كَرِ دَے گَا۔ جَسِ طَرَحِ پَهْلَے ۛهٰی ۛمِ نَے عَرْضِ كِیَا اَحْتِیَاطِ بَرْتِے كَے مَعْنِی یِهٖ ۛیْمِ كِهٖ اِپْنِے اَپِ كُو پُورِی طَرَحِ اَسِ كَے حَوَالِے نَهٗ كَرِ دِیْمِ اَسِ بَاتِ كُو ۛمِ نَے بَارِبا حَضْرَتِ عَلِیِّ سَے نَقْلِ كِیَا ۛے۔ اِیْكَ مَقَامِ پَرِ سَفْرَمَاتِے ۛیْمِ: لَا تَتَّقِنِ یَاخِیْكَ كُلَّ الثَّقَةِ فَاِنِ صَرَعَتِ الْاِسْتِیْرَسَاۛ لَا تُسْتَقَالَ اِپْنِے ۛهَائِ پَرِ مَكْمَلِ اَعْتِمَادِ نَهٗ كَرُو اَسِ لَے كِهٖ خُوشِ فَهْمِی كِی وَجِهٖ سَے پَهِنْچَے وَ اَلَا نَقْصَانِ نَاقَابِلِ تَلَاْفِی بُوْتَاۛے۔ یِهٰی وَجِهٖ ۛے كِهٖ اَنْدَهْے اَعْتِمَادِ كِی مَمَانَعَتِ كِی گِی ۛے۔ اَپِ كَے اَوْر اَپِ كَے دُوسْتِ كَے دَرْمِیَانِ كَچْھِ فَاصِلَے كَا بُوْنَا ضَرْوَرِی ۛے۔ تَا كِهٖ اَكْرَ پِٹَا چَلِے كِهٖ اَسِ كِی دُوسْتِی اَپِ كَے سَاثِهٖ حَقِیْقِی اَوْر مَخْلَصَانِهٖ نَهِیْمِ ۛے یَا اَسْكِی دُوسْتِی دَشْمَنِی مِیْنِ تَبْدِیْلِ بُو جَاۛے تُو اَپِ اَسِ سَے خُودِ كُو مَحْفُوظِ رَكْھِ سَكِیْمِ۔ اَسِی بَارِے مِیْنِ اِمَامِ عَلِیِّ سَنَے فَرْمَاۛا ۛے: اَبْذَلِ لِصَدِیْقِكَ كُلِّ مَوَدَّةٍ وَ لَا تَبْذَلْ لَهٗ كُلَّ الطَّمَّائِنَةِ اِپْنِے دُوسْتِ پَرِ اِپْنِی پُورِی مَحَبَّتِ نَچْھَاوَرِ كَرِ دُو لَیْكِنِ اَسِ پَرِ مَكْمَلِ بَهْرُوسِهٖ نَهٗ كَرُو ۔ اَحْتِیَاطِ كُو اِپْنَا شَعَارِ بَنَانِے كِی كُوشَشِ كَرُو تَاكِهٖ

معاونت کریں تو سچے دوست اور مخلص عزیز ہیں وگرنہ نہیں۔ وَ ذَا التَّوَدُّدِ وَ الْمَلَقِ عِنْدَ عَطَلَتِكَ اور اپنی محبت کا دم بھرنے والوں اور خوشامد کرنے والوں کو اپنی بیکاری کی حالت میں (آزمائو)۔ جو شخص اپنی شیریں بیانی کے ذریعے تمہاری خوشامد کرتا ہو اسے بے کاری اور پریشانی کے ایام میں آزماؤ۔ لَتَعْلَمَ يذَالِكْ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَهُمْ اس طرح تمہیں ان کے نزدیک اپنی قدر و منزلت کا علم ہو جائے گا۔

بہترین دوست

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہترین دوست کے متعلق سوال ہوا۔ آیُ الْأَصْحَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ إِذَا ذَكَرْتَ أَعَانَكَ وَ إِذَا نَسِيتَ ذَكَرَكَ سَبَّ سَبَّ بَهْتَرِ دُوسْتِ كُونِ بَيْ؟ آنحضرت نے فرمایا: جب تم (خدا کو) یاد کرو تو تمہاری مدد کرنے والا اور جب تم (خدا کو) بھول جائو تو تمہیں (اس کی) یاد دلانے والا یعنی سب سے بہترین دوست وہ ہے کہ جب تم خدا کی یاد میں مشغول ہو جب تم دوستوں کے حقوق اور تمام اچھی باتوں کو یاد رکھے ہوئے ہو تو وہ ان تمام امور میں تمہارا مددگار ہو۔ اور اگر تم خدا کو فراموش کر دو بھائوں کے حقوق اور اچھائوں کو بھلا بیٹھو تو وہ تمہیں ان امور کی پابندی کی جانب متوجہ کرے۔ ایسا ہی شخص تمہارا بہترین دوست ہے جو بھول اور غفلت کے عالم میں بھی تمہاری معاونت کرے اور یاد اور توجہ کے عالم میں بھی تمہارا مددگار ہو۔ اِيَكْ دُوسِرِي مَقَامِ پَرِ رَسُوْلِ خِدَا نِي فَرْمَايَا: إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ يَعْْبُدُ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرًا صَالِحًا اِنْ نَسِي ذِكْرَهٗ وَ اِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ جَبِ بَهِي پُروردگار عالم کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لئے اِيَكْ اچھا وزير مقرر فرما دیتا ہے کہ اگر وہ بھولا ہوا ہو تو (یہ وزير) اسے یاد دلاتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو اس سے تعاون کرتا ہے۔ یعنی اگر خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض اور ذمے داریوں کو بھولا ہوا ہو تو یہ دوست اسے یاد دلاتا ہے اور اگر اسے اپنے فرائض اور ذمے داریاں یاد ہوں تو یہ دوست ان کی انجامدہی میں اسکی مدد کرتا ہے۔

دوست کا حق

اب ہم دوست کے حقوق کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ حضرت امام سجاد سے رسالہ حقوق میں نقل ہوا ہے: أَمَا حَقُّ الصَّاحِبِ قَانَ تَصَحُّبِهٖ يَالْتَفَضُّلِ وَ الْإِنصَافِ الْبِتِهٖ دُوسْتِ كَا حَقِّ يِهٖ بِي كِهٖ اَسْ سِي فَضْلِ اَوْرِ اِنصَافِ كِي سَاتِهٖ پِيَشِ اُنُو. یعنی خدمت گزاری تعظیم و تکریم اور بخشش و عطا کے ذریعے اس کے ساتھ فضل و احسان کرو یا کم از کم اس کے ساتھ انصاف کرو اور اسے اس کا حق دو۔ وَ تَكْرِمِهٖ كَمَا تَكْرِمُكَسِ كِي وِيَسِي بِي عَزْتِ كُرُو جِيَسِي وَهٖ تَمَهَارِي عَزْتِ كُرْتَا بِي۔ وَ لَاتَدَعِهٖ يَسْبِقُ اِلَى مَكْرَمِيَهٗ كِهِي اِيَسَا نِهٖ بُو كِهٖ وَهٖ شَرَاْفَتِ اَوْرِ بَزْرُغِي مِي اِي پَهْلِ كُرْ جَائِي۔ یعنی ادب و احترام اور جو چیزیں مکارم اخلاق میں شمار ہوتی ہیں ان میں تم اس پر مقدم رہو۔ فَإِنْ سَبِقَ كَافَاتِهٖ اَوْرِ اِغْرُ وَهٖ پَهْلِ كُرْ جَائِي تُو اَسِي اَسْكَا بَدَلَا دُوو تَوَدُّهٖ كَمَا يُوَدُّكَ وَ تَزَجْرَهٗ عَمَّا يَهْمُ يِهٖ مِّنْ مَّعْصِيَهٗ اَسِ كِي سَاتِهٖ اَسِي طَرَحِ مَحَبَّتِ سِي پِيَشِ اُنُو جِسْ طَرَحِ وَهٖ تَمَهَارِي سَاتِهٖ مَحَبَّتِ سِي پِيَشِ اُنَا بِي اَوْرِ اَسِي اَسِ اِنَاہٖ سِي رُو كُو جِسْ كَا وَهٖ مَرْتَكَبِ بُو تَا بِي۔ اِغْرُ دِي كِهْوَكِهٖ وَهٖ ذُوْقِ وَ شُوْقِ كِي سَاتِهٖ اِنَاہٖ كُرْتَا بِي اَوْرِ اَسِ كِي طَرَفِ رَاغِبِ بِي تُو دُوسْتِي كَا حَقِّ يِهٖ بِي كِهٖ تَمِ اَسِي اَرْتَكَابِ اِنَاہٖ سِي مَنَعِ كُرُو۔ وَ كُنْ عَلَيَهٗ رَحْمَةً وَ لَاتَكُنْ عَلَيَهٗ عَذَابًا □□ اس کے لئے رحمت بنو عذاب نہ بنو۔ بیماری فقر و فاقے خوشی اور غمی برحال میں اس کے لئے رحمت ثابت ہو ان مشکلات میں اسے فراموش نہ کرو۔ حَضْرَتِ اِمَامِ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ سِي سِي رَوَايَتِ بِي: □□ وَ حَقُّ الْخَلِيْطِ اَنْ لَاتَغْرَهٗ وَ لَاتَعْشَهٗ وَ لَاتَخْدَعَهٗ وَ تَتَّقِي اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى فِيْ اَمْرِهٖ دُوسْتِ كَا حَقِّ

یہ ہے کہ اسے دغا نہ دو نہ اس کے ساتھ فریب کرو نہ ہی اسے دھوکہ دو اور اس کے بارے میں پروردگار عالم سے ڈرو۔ مفضل کہتے ہیں کہ: دَخَلْتُ عَلَيَّ أَبِي عَيْدٍ اللَّهُ فَقَالَ لِي: مَنْ صَحْبِكَ؟ فَقُلْتُ: رَجُلٌ مِنْ إِخْوَانِي قَالَ: فَمَا فَعَلَ؟ فَقُلْتُ: مِنْذُ دَخَلْتُ الْمَدِينَةَ لَمْ أَعْرِفْ مَكَانَهُ فَقَالَ لِي: أَمَا عَلِمْتَ أَنْ مَنْ صَحَبَ مُؤْمِنًا أَرْبَعِينَ خَطْوَةً سَأَلَهُ اللَّهُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي حَضْرَتِ امَامِ صَادِقِ سَكِي خَدْمَتِ فِي حَاضِرِ بَوَا - حَضْرَتِ نِي مَجْهُ سِي فَرْمَايَا: تَمْبَارَا سَاتْهِي كُونِ تَهَا (يَعْنِي سَفْرِ فِي تَمْبَارِي سَاتْهُ كُونِ تَهَا؟) فِي نِي عَرْضِ كِيَا: مِيرَا اِيكَ بَهَائِ (يَعْنِي فِي اسِي نِي نِي جَانْتَا تَهَا) فَرْمَايَا: وَهُ كِيَا كَامِ كَرْتَا بِي؟ فِي نِي عَرْضِ كِيَا: مَدِينَةُ نَكِ مَجْهِي مَعْلُومِ نِي بُو سَكَا كِي وَهُ كِيَا كَرْتَا بِي؟ امَامِ (ع) نِي فَرْمَايَا: كِيَا تَمْبِي مَعْلُومِ نِي كِي جُو كُوْنِي بِي كِي مَوْمِنِ كِي سَاتْهُ چَالِيْسِ قَدَمِ سَفْرِ كَرِي كَا تُو پَرُورْدِگَارِ عَالَمِ رُوزِ قِيَامَتِ اسِ سِي اسِ كِي مَتَعْلَقِ سَوَالِ كَرِي كَا۔

لہذا انسان جس کسی کے ساتھ بھی سفر کرتا ہے اسے اس پر حق ہم نشینی حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کیا کرتا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اس کے حال احوال کیسے ہیں؟ اور اس وقت تک اس سے جدا نہ ہو جب تک ان تمام امور کے بارے میں واقفیت حاصل نہ کر لے۔ حضرت علی ن کا ايك واقعه ملاحظہ ہو: ايك روز حضرت علی ن ايك يهودی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپ ايك راستے سے جانا چاہتے تھے جبکہ اس يهودی کی خواہش تھی کہ دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔ لیکن امَامِ نِي اسِ كَا سَاتْهُ نِي (چھوڑا) اور اس کی اختیار کردہ راہ پر آپ بھی چلنے لگے (یہاں تک کہ وہ دورا بَا آ گیا جہاں سے آپ کو اس يهودی سے جدا ہونا تھا۔ یہاں پہنچ کر بھی آپ اس ے علیحدہ نہ ہوئے اور کچھ دور تک اس کے ساتھ چلتے رہے۔ يهودی نِي كہَا: اے ابوالحسن! آپ كَا راستہ تو اس طرف ہے كِيَا آپ كَا خیال بدل گیا ہے اور آپ نِي اپنی منزل بدل دی ہے؟ امَامِ نِي فَرْمَايَا: نِي نِي ايسَا نِي نِي بِلَكِي پيغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نِي فَرْمَايَا بِي كِي: جَبِ كَبْهِي تَمِ كَسِي كِي سَاتْهُ سَفْرِ كَرُو تُو تَمِ پَرِ اسِ كَا حَقِ يِي بِي كِي كَمِ اَمَنِ كِي مَقَامِ تَكِ اسِ كِي بَمْرَاهِ چَلُو اور اسكے بعد اس سے جدا ہو۔ يهودی نِي پُوچْهَا: كِيَا يِي آپ كِي پيغمبر كَا فرمان ہے۔ امَامِ نِي جواب دیا: ہاں۔ يهودی نِي كہَا: اپنا ہاتھ بڑھائے۔ (آپ نِي ہاتھ بڑھایا) يهودی نِي آپ كِي بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور كہَا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں) اس طرح وہ يهودی مسلمان ہو گیا۔ ہم اس واقعے اور امَامِ علی كِي يهودی كِي سَاتْهُ اسِ سَلُوْكَ سِي يِي نِي نِي نِي جِي نِي كِي مَنَاطِرِي اور علمي و فلسفي بحثوں كِي نسبتِ اسلامي اخلاق كِي ذريعے كہيں زيادہ دوسروں كو اسلام كِي طرف جذب كيا جاسكتا ہے۔

کیونکہ اس طرح کے عمل عقل قلب احساس اور شعور پر چھا جاتے ہیں۔ لہذا ہم پر لازم ہے کہ اپنے عمل کے ذریعے اسلامی اخلاق کی جانب لوگوں کی رہنمائی کریں جیسے کہ امَامِ صَادِقِ نِي فَرْمَايَا بِي: كُونُوا دَعَاةً لِلنَّاسِ بِغَيْرِ اَلْسِنَتِكُمْ لِيُرُوا مِنْكُمْ الصِّدْقَ وَ الْخَيْرَ وَ الْوَرَعَ فَاِنَّ ذَالِكَ دَاعِيَةٌ لَوُكُوْبِ كُو اِپْنِي زِيَانِ كِي بَغِيْرِ (عَمَلِ سِي) اسِ لَامِ كِي طَرَفِ دَعُوْتِ دُو۔ لوگ تم میں سچائی عمل خیر اور پرہیزگاری دیکھیں۔ بلاشبہ یہی چیزیں دعوت دیتی ہیں۔ پس اگر ہم حق کی راہ اپنا کر لوگوں کے ساتھ سچائی پر مبنی طرز عمل اپنائیں پارسائی اور امانت کو اپنا شعار بنائیں تو ہمارا یہ عمل لوگوں کو خود بخود اسلام کی جانب لانے کا موجب بنے گا کیونکہ لوگ اس طرز عمل میں اسلام کو مجسم دیکھیں گے۔ مولا علی سَكِي اِيكَ حَدِيْثِ مَلَا حِظْهُ فَرْمَائِي: لَا تَقْطَعُ صَدِيْقًا وَ اِنْ كَفَرَ دُوْسْتِي كِي رَشْتِي كُو نِي تُوْرُو خَوَاهِ تَمْبَارَا دُوْسْتِ كَا فَرِ بُو لِهَذَا دُوْسْتُو سِي مِيْلِ مَلَا پِ اور تَعْلُقَاتِ ضَرْوَرِي ہيں خَوَاهِ وَهُ اُپ كِي اِيْمَانِي دُوْسْتِ بُوں يَاسْمَا جِي زَنْدِگِي مِيں بِنِ جَانِي وَا لِي دُوْسْتِ۔ ہم پر لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے دوستی کا رشتہ قطع نہ کریں چاہے وہ مومن ہوں چاہے کافر۔

اس حدیث سے امام کی یہ مراد محسوس ہوتی ہے کہ ہمیں کفار کے ساتھ بھی اسلامی اخلاق کے ساتھ پیش آنا چاہئے ممکن ہے ہمارے اس سلوک سے وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ آخر میں ہم امام علیؑ کا ایک قول نقل کر رہے ہیں جو نصیحت و موعظہ بھی ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان کے واقعی دوست کون سے افراد ہیں۔ فرماتے ہیں: **إِنَّ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ ثَلَاثَةَ أَخْلَاءٍ** پر مسلمان انسان کے لئے تین طرح کے دوست ہیں۔ **فَخَلِيلٌ يَقُولُ لَهُ أَنَا مَعَكَ حَيًّا وَ مَيِّتًا وَ بُوَ عِلْمُهُ** ایک دوست ایسا ہے جو اس سے کہتا ہے کہ میں زندگی اور موت دونوں ہی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ اس کا علم ہے۔ انسان کا علم موت کے وقت بھی اس کے ساتھ اسی طرح رہے گا جیسے زندگی میں اس کے ساتھ تھا البتہ جب عمل کے ہمراہ ہو۔ **وَ خَلِيلٌ يَقُولُ لَهُ أَنَا مَعَكَ حَتَّى تَمُوتَ وَ بَوْمًا** لہٰذا دوسرا دوست کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن صرف تا دم مرگ۔ یہ اس کا مال ہے۔ انسان کا مال اس کے ہمراہ اس وقت تک ہے جب تک وہ مرا نہیں ہے۔ مرنے کے بعد اسیے ایک کفن دیکر چھوڑ دیتا ہے۔ **وَ خَلِيلٌ يَقُولُ لَهُ أَنَا مَعَكَ إِلَى بَابِ قَبْرِكَ ثُمَّ أَخْلِيكَ وَ هُوَ وَادٌّ** اور تیسرا دوست اس سے کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں البتہ تا لب گور اس کے بعد تم کو چھوڑ دوں گا۔ یہ انسان کا فرزند ہے۔

انسان کو ان تینوں میں سے کسے دوستی کے لئے منتخب کرنا چاہئے؟ جواب واضح ہے ایسے علم کو جو عمل کا باعث ہو۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب انسان حالتِ احتضار میں ہوتا ہے اور عالمِ آخرت کی طرف سفر کے لئے تیار ہوتا ہے تو مالِ اولاد اور اس کا عمل اس کے سامنے مجسم ہوتے ہیں۔ مرنے والا اولاد سے کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی تمہارے لئے وقف کردی اور اس وقت مشکل میں ہوں تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ اس وقت اولاد کہتی ہے: ہم قبر تک تمہارے ساتھ آئیں گے۔ پھر وہ مال کی طرف رخ کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے تجھے جمع کرنے کے لئے بیابان اور وسیع و عریض صحرا طے کئے۔ اس وقت میں مشکل میں ہوں تو میرے لئے کیا کرسکتا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے: تم اپنا کفن مجھ سے لے سکتے ہو۔ اس منزل پر وہ اپنے عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کہتا ہے: تو میرے لئے بہت بھاری تھا۔ اس وقت عمل کہتا ہے: میں تمہاری قبر میں تمہارے ساتھ ہوں حشر تک تمہارے ہمراہ ہوں اور جب تم بہشت یا جہنم کی طرف جا رہے ہو گے تب بھی تمہارے ساتھ ہونگا۔ **جِيْ پاپِ ! قِرْآنِ كَرِيْمِ** نے عمل کے متعلق فرمایا ہے: **وَ قُلْ اَعْمَلُوا قَسِيْرًا لِّلّٰهِ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ** اور پیغمبر ان سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمہارے عمل کو خدا اس کا پیغمبر اور مومنین سب دیکھ رہے ہیں۔ (سورئہ توبہ ۹ آیت ۱۰۵) نیز دوسرے مقام پر فرمایا: **فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ** جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اسے دیکھے گا۔ (سورئہ زلزله ۹۹ آیت ۷-۸)

میرے عزیزو! اُو خدا سے دوستی کریں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پیروی کریں جو پروردگار کے دوست بنے اور اسی طرح پروردگار عالم نے بھی ان سے دوستی کی **وَ اتَّخَذَهُ خَلِيْلًا** پروردگار عالم نے انہیں اپنے دوست کے بطور چن لیا اور ہر ایک کو پہچنواہا۔ حضرت ابراہیم صرف خدا کے لئے ہو گئے اور اس کے سامنے پوری طرح تسلیم ہو گئے۔ اپنے خدا کے ہم نشین ہوتے ہیں اسی طرح جیسے ایک دوست دوسرے دوست کے یا ایک عاشق اپنے معشوق کے ہم نشین ہوتا ہے۔ اپنی روح کو اس کے سپرد کر کے حقیقی ایمان پیدا کریں اس سے عشق کریں نیک عمل انجام دیں اور تقویٰ کو اپنا شعار قرار دیں اور اس سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کریں۔ **اَلْيَوْمَ عَمَلٌ وَ لِحِسَابٍ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلٌ اَجَّ عَمَلٌ** آج عمل کا دن ہے حساب کا نہیں اور کل حساب کا دن ہو گا عمل کا نہیں۔

و الحمد لله رب العالمين و ما توفيقى الا با الله

۲ / اگست ۲۰۰۱ء مطابق با ۴ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

دوستی سے متعلق سوال و جواب

خدا سے دوستی

سوال: سید فضل اللہ آپ کا دوست کون ہے؟

جواب: خدا میں خدا سے دوستی کو اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں اور لوگوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ خدا سے دوستی کریں وہ دوستی جو انسان کو عقل قلب زندگی الغرض سب کچھ عطا کرتی ہے اور ان کی افزائش کا باعث ہے وہ خدا کی دوستی ہے کیونکہ وہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

شیطان دشمن ہے

سوال: حضرت عالی آپ کا دشمن کون ہے؟

جواب: شیطان! اپنے تمام جلوئوں کے ساتھ، وہی شیطان جو بدی اور برائی کو انسان اور اس کی زندگی کے اندر شامل کرتا ہے۔

دوستی سے متعلق ایک اعتراض

سوال: مغربی مکتب فکر لوگوں کے ساتھ جس طرز عمل کی تلقین کرتا ہے اس میں دوستی کے بارے میں جو تعلیم دی گئی ہے اس میں ایک عیب دکھائی دیتا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ لوگ جس طرح چاہتے ہیں اسی طرح ان کے ساتھ پیش آیا جائے۔ اس کے متعلق حضرت عالی کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ہمارا رویہ لوگوں کی خواہش کے مطابق ہونا چاہئے۔ یا پھر ہمارے مکتب و مسلک کے معیار پر ہونا چاہئے؟

جواب: ہمیں لوگوں کے ساتھ نیک اخلاق و رفتار کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

عنی ہم دوسروں کے خیر خواہ ہوں ان کے ساتھ نیکی و احسان کریں اور ان کے ساتھ مخلصانہ میل ملاپ رکھیں۔ اور یہ نظریہ کہ تم لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسے وہ چاہتے ہیں ناچار وہ بھی تمہارے ساتھ ویسے ہی پیش آئیں گے جیسے تم چاہتے ہو ہے معنی ہے۔ کیونکہ اس نظریے کی رو سے جو کوئی بھی جس مکتب و مسلک کا مالک ہے اور جو اس کا اجتماعی و سیاسی مشرب ہے ہمیں اس کے مذاق و مزاج کے مطابق پیش آنا چاہئے نہ کہ متعین حدود کے تحت۔ اس بنیاد پر انسان کی تربیت کسی

معین معیار و اخلاق کے مطابق نہیں ہونی چاہئے نیز کوئی بھی فرد کسی ایک ثابت معیار کے تحت لوگوں کے ساتھ پیش نہیں آسکتا۔ بہر حال ہر شخص کا رویہ دوسروں کے ساتھ ان ضوابط اور حدود کے اندر ہونا چاہئے جن کی لوگ اخلاقی امور میں رعایت کرتے ہیں غیر اخلاقی بنیادوں پر نہیں۔ یعنی طرز عمل کی بنیاد عدالت کو ہونا چاہئے۔ اور عدالت کہتی ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے روحی اور ظاہری حالات پیش نظر رکھتے ہوئے لوگ تمہارے ساتھ پیش آئیں تمہیں بھی چاہئے کہ لوگوں کے بارے میں انہی باتوں کو پیش نظر رکھو اور ان کے ساتھ انہی شرائط کے ساتھ پیش آؤ۔

خوشروئی اور خندہ پیشانی

سوال: ہم مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے وقت خوشروئی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہئے لیکن افسوس ہمارے درمیان حتیٰ عزیز اور گرامی قدر علما کے درمیان بھی یہ وصف کم نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کوئی ایسا راستہ ہے کہ مومنین اور مسلمان اس حالت سے چھٹکارا پا لیں؟

جواب: پروردگار عالم فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ (یقیناً رسول خدا تمہارے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہیں البتہ اس شخص کے لئے جو خدا اور روز قیامت سے امید رکھتا ہے۔ سورئہ احزاب ۳۳ آیت ۱۲)

ہی نمونہ عمل بستی یعنی پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: أَلْقِ أَخَاكَ يَوْجِرُ مَنْبَسِيطَ (اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو) لیکن بعض افراد پیغمبر کے اس حکم کے برخلاف خود کو اندوہ گین اور غمزدہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ تیوریوں پر بل دیئے نا خوش اور بدمزاج نظر آتے ہیں جب کہ انہوں نے فراموش کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام ہمیشہ اور ہر حال میں مسکراتے رہتے تھے اور امام سجاد بھی اسی طرح تھے۔ ایک عرب شاعر نے امام سجاد کی تعریف میں یہ شعر کہا۔

غَضِي حَيَّائٌ وَ يُغْضِي مِّن مَّهَابِتِهِ فَلَا يُكَلِّمُ النَّاسَ إِلَّا حِينَ يَبْتَسِمُ حَيَا كِي وَجْهِ سَيِّئٍ نَّكَابِي
جھکائے رکھتے ہیں اور لوگ بھی ان کی عظمت و شوکت کی وجہ سے ان کی طرف نگاہ اٹھانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ اس کے باوجود جب گفتگو کے لئے لب کھولتے ہیں تو آپ کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ نظر آتی ہے۔ لہذا مومن کی ایک علامت یہ ہے کہ خوشی اور و بشاشت اس کے چہرے سے عیاں ہو لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے چہرے کی طرف دیکھیں تو غم و اندوہ کی ایک دنیا انسان کی طرف منتقل ہو جائے۔ لوگ اگر خوشی و سرور کی حالت میں بھی ہوں تب بھی وہ غمزدہ نظر آتے ہیں۔

ان دوستوں کو نصیحت جو ایک دوسرے سے روٹھ گئے ہیں

سوال: دو دوست جو مختلف مراجعین کی تقلید کرتے ہیں اس مسئلے میں اختلاف کی وجہ سے آپس میں روٹھ گئے ہیں جب کہ اس سے پہلے وہ جگری دوست تھے۔ جیسے کہ آپ واقف ہیں تقلید کی وجہ سے سماج کے اندر کدورت اختلاف اور لفظی جنگ کثرت سے نظر آتی ہے۔ حضرت عالی سے درخواست ہے اس کے متعلق کوئی نصیحت فرمائے؟

جواب: یہ بہت ہی واضح غلط طرز عمل ہے جو ایسے لوگوں کی نادانی اور دین کے پابند نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ دونوں دوست مومن ہیں اور دونوں کے درمیان ایمانی اخوت قائم ہے ان دونوں دوستوں کو حق حاصل ہے کہ جس مرجع پر انہیں اعتماد و اطمینان ہو اسکی تقلید کرے بالکل اسی طرح جیسے ڈاکٹر کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایک ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور دوسرا دوسرے ڈاکٹر کے پاس اس موقع پر ان کے درمیان کیوں اختلاف رونما نہیں ہوتا؟ تقلید اس شخص کی کی جاتی ہے جس نے فقہ میں اجتہاد کیا ہو اور اس پر عبور رکھتا ہو۔ اب اگر دو مراجع تقلید کسی مسئلے میں اختلاف نظر رکھتے ہوں تو اس اختلاف کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی دین سے خارج نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر یہ دونوں دوست ایک دوسرے کے مرجع کے متعلق منفی خیالات رکھتے ہوں تب بھی پروردگار عالم روز قیامت ان دونوں میں سے کسی سے بھی دوسرے کے مرجع کی تقلید کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ میں ان دونوں دوستوں سے عرض کرتا ہوں کہ آپ دونوں کا ایک دوسرے سے اس امر میں روٹھنا خطا گناہ اور دین کا پابند نہ ہونے کی دلیل ہے۔ آپ متعصب ہیں متدین نہیں۔ اسی طرح (نہ صرف یہ دونوں دوست) بلکہ وہ تمام افراد جو صرف مختلف مراجعین کے مقلد ہونے کی بنا پر اختلاف کرتے ہیں اور دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ وہ تشیع اور اسلام کے مخلص نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے بندے ہیں اور خود کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ پابند دین اور متعصب انسان کے درمیان فرق ہے اور احادیث میں آیا ہے کہ متعصب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سیاسی اختلاف

سوال: اکثر اوقات سیاست کی وجہ سے مومنین کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں کس طرح دوستی اور سیاسی رجحان کے درمیان توازن و اعتدال پیدا کریں؟

جواب: پروردگار عالم فرماتا ہے: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ** (مومنین آپس میں بالکل بھائی ہیں۔ (سورۃ حجرات ۴۹ آیت ۱۰)

ہاں تک کہ اگر سیاسی رجحانات میں بھی ان کے درمیان اختلاف پایا جائے تب بھی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اجتماعی نظریات یا سیاسی رجحان کی بنا پر اپنے کسی مومن بھائی سے جھگڑا کرے تو ایسا شخص دائرہ ایمان سے خارج ہے کیونکہ اس طرح وہ گویا یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہے جیکہ میں یہ کہتا ہوں۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے: **إِذْ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ أَنْتَ عَدُوٌّ كَفَرٌ أَحَدِيًّا** (جو بھی مومن دوسرے مومن سے کہے تو میرا دشمن ہے تو ان میں سے کوئی ایک کافر بوجاتا ہے۔) عرب شاعر شوقی کہتا ہے: **إِخْتِلَافُ الرَّأْيِ لَا يَفْسِدُ لِلْوَدِّ قَضِيَّةَ** اختلاف نظر اور اختلاف رائے کو دوستی کے لئے مشکل نہیں بننا چاہئے۔ البتہ یہ چیز جزی اور فروعی مسائل کے بارے میں ہے بنیادی اور اصولی مسائل کے بارے میں نہیں۔

میرا ایک دوست عریاں فلمیں دیکھتا ہے

سوال: میرا ایک دوست طویل مدت سے جنسی فلمیں دیکھتا ہے اور میں عمر میں اس سے چھوٹا ہوں اور اس سے کہہ نہیں سکتا لہذا پریشان ہوں۔ میرا فریضہ کیا ہے؟ برائے مہربانی میری راہنمائی فرمائیے۔

جواب: کسی طرح اسے اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کیجئے اور اگر ضروری سمجھتے ہوں تو کسی بڑے سے کہئے ، مگر اس وقت جب کہ آپ کو علم ہو کہ وہ اس کو نصیحت کرسکتا ہے اور اس عمل سے روک سکتا ہے۔

رنگ دوستی

سوال: میں اپنی تربیت اس طرح کرنا چاہتا ہوں کہ دوسروں سے اتنی ہی محبت کروں جتنا وہ اسلام سے مخلص اور اسکے عاشق ہیں۔ دوسروں کے ساتھ میری محبت پر جذبات و احساسات اور قرابت داری حاوی نہ ہو۔ اس بابت حضرت عالی کا نظریہ کیا ہے؟

جواب: مومن اور با بدف انسان کی محبت و نفرت، دوستی و دشمنی خدا اور رضائے خدا کے لئے ہے۔ ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ پروردگار عالم ہم سے چاہتا ہے کہ ہم ماں باپ بھائی بہن گھر والوں بلکہ تمام مسلمانوں سے محبت کریں۔ البتہ یہ محبت خدا سے عشق، اس پر ایمان اور بدف کی اساس پر ہونی چاہئے۔

اپنی حیثیت کا دفاع

سوال: اگر لوگ کسی انسان کی جانب باطل اور غلط امور منسوب کریں اور وہ انسان خود کو ان سے بری ظاہر کرنا چاہے لیکن حقیقت کے بیان کی صورت میں بعض مومنین کی توہین ہوتی ہو تو کیا اس صورت میں حقیقت کہنا اور اپنے آپ کو بری ظاہر کرنا واجب ہے؟

جواب: جب بھی کسی کی طرف ناحق نسبت دی جائے تو اس پر لازم ہے کہ اپنا دفاع کرے اور اس تہمت کو رفع کرے۔ یہ ایک فطری اور انسانی حق ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر شخص کا دینی حق ہے کہ اپنی عزت و آبرو کا دفاع کرے اور مومنین کی حرمت کی حفاظت میں ہوشیاری سے کام لے۔ انہیں بے آبرو کرنے کے لئے ان کے منفی نکات کا تذکرہ نہ کرے بلکہ ان کی خیر خواہی اور مثبت تنقید میں کوشاں رہے۔

گمراہ دوست

سوال: میرا ایک دوست گمراہ ہو گیا ہے اور گمراہی کے راستے پر گامزن ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کے ساتھ کیسے پیش آئوں جب کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے چاہتا ہے اور میرے لئے خاص احترام کا قائل ہے۔ (برائے مہربانی رہنمائی فرمائیے)

جواب: وہ آپ کا جو احترام کرتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجئے نیز اس کی گمراہی کی جڑ تلاش کیجئے اور بالکل اسی طرح اس کا علاج کیجئے جیسے ڈاکٹر مریض کا علاج کرتا ہے اور اگر خود نہیں کرسکتے تو اس سلسلے میں دوسروں سے مدد لینے کی کوشش کیجئے۔

ایسے افراد کی ہم نشینی جو دل کو مردہ کر دیتے ہیں

سوال: کتاب اصول کافی کی جلد ۲، ص ۶۰۶ پر آیا ہے کہ: ثَلَاثَةٌ مُجَالَسَتُهُمْ تُمِيتُ الْقَلْبَ الْجُلُوسُ مَعَ الْاِنْدَالِ وَالْحَدِيثُ مَعَ النِّسَاءِ وَالْجُلُوسُ مَعَ الْاَغْنِيَاءِ (تین گروہوں کے ساتھ نشست و برخاست قلب کو مردہ کر دیتی ہے۔ پست فطرت گندے اور اوباش افراد سے میل جول عورتوں سے گفتگو اور دولت مندوں کی ہم نشینی) تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوباشوں اور دولت مندوں سے میل ملاپ اور عورتوں سے گفتگو سراسر برائے اور دل کے مردہ ہونے کا باعث ہیں؟

جواب: یہ اس بنا پر ہے کہ اکثر اوقات ان تینوں گروہوں کے ساتھ نشست و برخاست میں ایسی گفتگو ہوتی ہے جو (بوس) غرائز اور شہوات میں تحریک کا باعث ہے۔ اس کی مزید وضاحت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں: دولت مندوں کے ساتھ نشست و برخاست میں عام طور پر مال و دولت کے موضوع پر گفتگو رہتی ہے۔ اس طرح یہ ہم نشینی انسان میں دنیا کی رغبت پیدا کرتی ہے اور انسان دوسروں کے پاس جن چیزوں کو دیکھتا ہے ان کی ضرورت محسوس کرنے لگتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ وہ بھی ان کی برابری کرے۔ جب کہ بعض اوقات اس آرزو کا پورا ہونا ممکن نہیں ہے یا ممکن ہے وہ قضا و قدر الہی اور اسکی طرف سے رزق و روزی کی تقسیم کا منکر ہو جائے۔ اور عورتوں سے گفتگو ممکن ہے اس وجہ سے قبیح اور مذموم ہو کہ جنسی تحریک کا باعث ہوتی ہے گندے اور اوباش افراد کی ہم نشینی میں ان کے کرتوتوں کا ذکر ہوتا ہے۔ لہذا ان تینوں گروہوں کے ساتھ نشست و برخاست اور ان کی بزم میں شرکت دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو ایسے افراد کے ساتھ نشست و برخاست رکھنی چاہئے جو اس کے قلب و فکر اور روح کو پروردگار عالم سے جوڑیں اور اسے زندگی میں اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کریں۔ مزید یہ کہ وہ نشستیں جو دل کو مردہ اور روح کو آلودہ کر دیتی ہیں ان کے مقابل ایسی نشستیں بھی ہیں جو دل کو زندہ بندگی کی جانب راغب اور مثبت جد و جہد اور و کوشش کے جذبے کو بیدار کرتی ہیں یہ وہ نشستیں ہیں جن میں خدا کا ذکر ہوتا ہے۔

ایک دوست کی درخواست

سوال: میرا ایک دوست جو امریکا میں رہتا ہے اس نے مجھ سے حرام گانوں کے کیسٹ بھیجنے کی درخواست کی ہے۔ وہ میرا ایک عزیز دوست ہے۔ کیا میں اس کی درخواست پوری کر دوں؟

جواب: اتفاقاً کیونکہ وہ آپ کا عزیز دوست ہے اس لئے آپ اس کے لئے ایسے کیسٹ نہ بھیجئے۔ انسان کو چاہئے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے اور جس چیز کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اسے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ پروردگار عالم آپ سے راضی ہو اور آپ پر غضبناک و ناراض نہ ہو تو اپنے دوست کے لئے بھی وہی پسند کیجئے جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ اس کے لئے خدا کا عذاب پسند نہ کیجئے۔ مزید یہ کہ ایسا دوست عزیز دوست نہیں ہے کیونکہ مخلص اور عزیز دوست وہ ہے جو آپ کو حرام عمل اور غضبِ خدا میں گرفتار نہ کرے۔

دوست کی ایذا

سوال: کیا انسان کو حق حاصل ہے کہ اپنے دوست کے ساتھ گفتگو میں ایسے کلمات استعمال کرے جو اس کے رنجیدہ ہونے کا سبب بنیں اور اس کے دل میں کینہ پیدا کر دیں۔ مثلاً مزاح کے درمیان طنز کرنا؟

جواب: اگر یہ عمل دوست کے لئے اذیت کا باعث ہوتو جائز نہیں ہے کیونکہ مومن کو ایذا پہنچانا جائز نہیں۔

بنسی مذاق والے دوست

سوال: ایک ایسا جوان ہے جو اپنی جوانی کے رات و دن ایسے دوستوں کے ساتھ گزارتا ہے جو سوائے بنسی مذاق کے کچھ اور نہیں کرتے۔ اس نے اپنے وقت کے لئے کوئی پروگرام تیار نہیں کیا ہے ایک لحظہ بھی فکر نہیں کرتا۔ حضرت عالی کی نظر میں ایسے جوان کا انجام کیا ہے؟

جواب: ایسا فرد زندگی کے حقیقی مفہوم اور انسانیت کے معنی جانے بغیر اپنی زندگی گزار دیتا ہے اسے چاہئے کہ زندگی کو سنجیدگی سے لے سرسری نگاہ سے نہ دیکھے اور اپنی عمر ذمے داری کے ساتھ بسر کرے لا ابالی پن میں نہ گزارے۔ حضرت رسول اکرم نے فرمایا ہے:

لَا تَزُولُ قَدَمُ عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْئَلُ عَنِ أَرْبَعٍ عَنِ عَمْرِهِ فِيمَا أَفْتَاهُ؟ وَ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ؟ وَ عَنِ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ كَسَبَهُ وَ فِيمَا أَنْفَقَهُ؟ وَ عَنِ حَبْنِ أَهْلِ الْبَيْتِ قِيَامَتِ كَيْفَ دَانَ كَسَى بِيهِ بِنْدَةٍ كُوَ اس وقت تكَ قدم آگے نہیں بڑھانے دیں گے جب تكَ اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیں:

۱۔ اپنی عمر کو کہاں صرف کیا؟

۲۔ اپنی جوانی کو کیسے بسر کیا؟

۳۔ دولت کہاں سے حاصل کی اور اسے کہاں خرچ کیا؟

۴۔ اور اہل بیت کی محبت، کہ اس نے اہل بیت سے کتنی محبت کی؟ لہذا انسان سے اس کی زندگی کے ہر برلمحے کے متعلق سوال ہوگا کہ کیا اس نے اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کیا یا شر اور برائی کے کاموں میں۔ ہماری عمر ہمارا حقیقی سرمایہ ہے جس کے متعلق پروردگار عالم چاہتا ہے کہ ہم اسے اس کے ساتھ تجارت میں استعمال کریں۔ پس اگر کوئی اپنا یہ سرمایہ گنوا کر خالی ہاتھ پروردگار عالم کی بارگاہ میں جائے بلکہ ممکن ہے اپنے گناہوں کے سنگین بوجھ کے ساتھ رب العزت سے ملاقات کرے تو وہ ایک زیانکار انسان ہے جس نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کیا ہے۔

بدنام افراد سے دوستی

سوال: میں بعض بدنام افراد سے ان کی اصلاح کی غرض سے دوستی کرتا ہوں لیکن اپنے اس عمل کی وجہ سے مجھے لوگوں کی طرف سے مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کے متعلق حضرت عالی کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اگر بالفرض اس طرح کے افراد کی اصلاح ممکن ہے اور ان کی ہدایت واقعاً اہم ہے تو کوئی مضائقہ اور عیب نہیں ہے۔ کیونکہ جلد ہی ان تعلقات کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے اور لوگ مسئلے کی حقیقت سمجھ جائیں گے اور اگر مسئلہ حقیقتاً معمولی ہو اور انسان پر ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست اور ان کی ہدایت کا فریضہ عائد نہ ہوتا ہو تو انسان پر لازم ہے کہ اس عمل کو چھوڑ دے بالخصوص اس وقت جب کہ یہ عمل اس کی بتک حرمت تک پہنچ جائے۔

جنس مخالف سے دوستی

سوال: کیا میں اپنی ہم کلاس لڑکی سے دوستی کرسکتا ہوں اور دوست لڑکوں کی طرح جیسے وہ تفریح کے لئے جاتے ہیں آپس میں گفتگو کرتے ہیں ہم بھی ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کر سکتے اور سیر کے لئے جاسکتے ہیں اور سوائے ان امور کے کہ جن کو شرع نے حرام کیا ہے حسب خواہش سب کچھ انجام دے سکتے ہیں؟

جواب: عورتوں اور مردوں کے درمیان میل جول حرام نہیں ہے۔ لیکن عورت اور مرد ایک دوسرے کے متعلق جو احساس رکھتے ہیں اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی ضمانت نہیں کہ اس قسم کی دوستی حدودِ شرع تک محدود رہے گی۔ بلکہ اس قسم کے تعلقات کے کبھی کبھی منفی برے اور خلاف شرع نتائج نکلتے ہیں بالخصوص اگر یہ دوستی انتہائی قربت اور بے تکلفی تک جا پہنچے۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہم اس مشہور حدیث سے اخذ کرتے ہیں جس میں عورت اور مرد کو تنہائی میں ملنے سے منع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس ملاقات میں شیطان ان کا تیسرا ساتھی ہوتا ہے۔ لہذا مرد و زن کا تنہائی میں ملنا جلنا قابلِ بحث نہیں مگر صرف اس لئے (اس سے روکا گیا) ہے کہ یہ ارتکابِ حرام کے داخلی اور خارجی حالات فراہم کر دیتا ہے۔ قدرتی بات ہے کہ میل ملاقات کے ساتھ پروان چڑھنے والی گہری اور بے تکلفانہ دوستی بعض اوقات انہی نتائج کو سامنے لاتی ہے جو تنہائی کے اس میل جول سے نکلتے ہیں جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر مرد و زن دونوں مطمئن ہوں اور یقین رکھتے ہوں کہ حرام میں مبتلا نہیں ہوں گے یا ان میں تحریک پیدا نہ ہوگی اور ان کے درمیان رابطہ بھی شرعی ضوابط کے تحت ہو تو اس صورت میں میل ملاپ میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ارتکابِ حرام کا باعث نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ صاف ستھرے تعلقات کے قیام اور ایسے تعلقات کے جاری رکھنے کے لئے شرعی راستے موجود ہیں حتیٰ (شدید محبت و چاہت کی صورت میں بھی) تا کہ بالفرض اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو شرعی ضوابط پر منطبق ہو مثلاً عقد و غیرہ (البتہ جس جگہ عقد پڑھنا جائز ہو) اس صورت میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تارك الصلوٰۃ کے ساتھ شراکت

سوال: کیا تارك الصلوٰۃ کے ساتھ شراکت جائز ہے؟

جواب: ہاں (بنیادی طور پر تو) جائز ہے۔ مگر یہ کہ اس کے ساتھ مشارکت نہی عن المنکر کی حدود کی مخالف ہو۔ بالفاظ دیگر اگر نہی عن المنکر کی شرائط موجود نہ ہوں۔ مثلاً اگر شریک ایسا فرد ہے کہ اس پر نہی عن المنکر کا کچھ اثر نہیں ہوتا یا نہی کرنے کی صورت میں بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ شراکت یا اس

کے ساتھ معاملہ یا اس کے پاس ملازمت کرنے وغیرہ میں کوئی مصلحت ہو تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مومنین سے محبت کا کم ہو جانا

سوال: میں ایک پابندِ دین مومن جوان ہوں لیکن جب میرے اور مومن بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف پیش آتا ہے تو ان کی محبت میرے دل میں کم ہو جاتی ہے اور ان سے تعلقات صرف سلام کرنے کی حد تک باقی رہ جاتے ہیں۔ میرے لئے ان سے دوبارہ نزدیک ہونا اور تپاک سے پیش آنا بہت مشکل ہے۔ بالخصوص اس وقت جب مدمقابل خطا کار ہو اور اس نے میرے حق میں برائی کی ہو۔ آپ سے استدعا ہے کہ میری راہنمائی فرمائیے۔

جواب: عزیزم! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح دوسرے آپ کی نسبت خطا کے مرتکب ہوتے ہیں اسی طرح آپ بھی دوسروں کی نسبت خطا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لہذا دوسروں کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کے ساتھ پیش آئیں۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ آپ جب خطا کے مرتکب ہوں تو وہ بھی آپ کے ساتھ وہی رویہ اختیار کریں جو آپ ان کے ساتھ اختیار کرتے ہیں؟ واضح ہے کہ نہیں بلکہ آپ چاہیں گے کہ وہ معاف کر دیں اور آپ کی خطا کو درگزر کریں۔ لہذا جب دوسرے آپ کی نسبت غلطی کے مرتکب ہوں تو آپ بھی اسی طرح عفو و درگزر سے کام لیں۔

دوسروں کی غلطی برداشت نہیں کر پاتا

سوال: میں ایک جوان ہوں اور یورپ میں رہتا ہوں میری مشکل یہ ہے کہ جب دوسرے ایک سے زیادہ مرتبہ میری نسبت خطا کا ارتکاب کرتے ہیں تو میں انہیں برداشت نہیں کر پاتا اور ان سے قطع تعلق کر لیتا ہوں۔ خود اس وقت میں نے اپنی بڑی بہن اور بڑے بھائی سے قطع تعلق کیا ہوا ہے۔ میرے لئے آپ کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟

جواب: اگر قانون یہ ہو کہ کسی نے غلطی کی تو دوسرا اسے برداشت نہ کرے اور اس سے قطع تعلق کر لے اور اس کے ساتھ کوئی بھلائی نہ کرے تو پھر پروردگار عالم کے سامنے ہم خطاکاروں کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم پسند کریں گے کہ پروردگار عالم ہم سے رابطہ منقطع کر لے اور ہم کو اپنی رحمت سے محروم کر دے؟ مزید یہ کہ جب دوسرے آپ کے ساتھ غلطی کرتے ہیں تو آپ ان سے رابطہ منقطع کر لیتے ہیں تو کیا آپ بھی پسند کریں گے کہ جب آپ دوسروں کے ساتھ غلطی کریں تو وہ آپ سے رابطہ ختم کر لیں؟ عَامِلِ النَّاسِ يَمَّا تَجِبُ أَنْ يُعَامِلُوكَ يَهْ لَوْ كَوْنِ كَيْ سَا تَهْ اَيْسَي پيش آئو جيسے تم پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ پیش آئیں۔

بلوغ سے پہلے انحراف

سوال: میرا ایک دوست ہے اس کی عمر ۲۱ سال سے زیادہ نہیں ہے لیکن ایسے کاموں کا مرتکب ہوتا ہے جس کی پروردگار عالم نے اجازت نہیں دی ہے۔ میں ہمیشہ اسے نصیحت کرتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ پروردگار عالم نابالغ شخص کے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتا میں نے جب یہ بات اسے بتائی تو اس نے گناہوں میں اور اضافہ کر دیا اور میری نصیحتوں پر مجھ سے کہتا ہے ہاں زندگی کا ایک دور ہے جس کا مجھے خدا کی بارگاہ

میں حساب دینا ہو گا لیکن ابھی میرا وہ دور حیات شروع نہیں ہوا ہے ابھی میں تمہاری باتیں بالکل نہیں سنوں گا کیونکہ پروردگار عالم میری زندگی کے اس حصے کا مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس کے متعلق حضرت عالی کا نظریہ کیا ہے؟

جواب: اگر یہ شخص نابالغ ہے۔ یعنی اسے احتلام نہیں ہوا اور مخصوص مقامات پر بال نمودار نہیں ہوئے تو حدیث ہے کہ: رَفَعَ الْقَلَمَ عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ۔ (بچہ اس وقت تک مرفوع القلم (بری الذمہ) ہے جب تک اسے احتلام نہ ہونے لگے) البتہ اسے اس طرح کی باتیں نہیں بتانی چاہئیں اس لئے کہ وہ بلوغ سے پہلے جو کچھ انجام دے گا اس کے عذاب کے بارے میں تو اسے کوئی مشکل نہیں ہو گی اور وہ اس سے محفوظ رہے گا لیکن جن حرام کاموں کو انجام دیگا ان کی تاثیر اس کی شخصیت اور روح پر رہ جائے گی اور بلوغ کے بعد تک باقی رہے گی۔ بلکہ ممکن ہے اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور اس کی عادت بن جائیں۔ دوسری طرف یہ کہ بہت سے گناہ انسان کی روح و جسم اور اس کی شخصیت کے لئے مضر ہیں اور انسان کی شخصیت اور روح پر اپنے وضعی اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔

قیامہ شناسی

سوال: میں لوگوں کے چہرے دیکھ کر ان کے اچھے یا برے ہونے کا تعین کر لیتا ہوں۔ برے لوگوں کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میرا دل ان کی طرف سے بچھ جاتا ہے اور ان کے بارے میں برا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت عالی کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب: پروردگار عالم کا یہ کلام پڑھے جس میں وہ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ اے ایمان لانے والو اکثر گمانوں سے پرہیز کرو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ (سورئہ حجرات ۴۹ آیت ۱۲) آپ کو چاہئے کہ خود اپنے آپ سے سوال کریں کہ آپ کے پاس برے افراد کے تعین کا معیار کیا ہے؟ آپ اپنے آپ سے سوال کیجئے کہ وہ عمل جس کی وجہ سے آپ کے دل میں اس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی ہے کیا آپ نے اسے اس کا مرتکب ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا آپ پیش نظر شخص کو پوری طرح اور واقعاً پہچانتے ہیں؟ ہاں صرف کسی کا چہرہ دیکھ کر اسکے بارے میں دل کے اندر برا احساس اور نفرت پیدا ہو جانا اس کے اچھے یا برے ہونے کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

اس سے پرہیز جس کے متعلق دل میں نفرت ہو

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ: اِتَّقُوا مَن تَبِعُضُهُ قُلُوبُكُمْ (جس کی نسبت تمہارے دل میں احساس نفرت ہو اس سے پرہیز کرو) کیا یہ حدیث ان احادیث کے ساتھ ٹکرائو نہیں رکھتی جن میں مومن کی نسبت محبت و دوستی کی ترغیب دی گئی ہے؟

جواب: مجھے نہیں معلوم کہ اس طرح کی احادیث کس حد تک صحیح ہیں۔ جب انسان کسی مومن کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہے تو اس کے ظاہر کو معیار بنانا چاہئے (اس کے اعمال کو دیکھے اور فیصلہ کرے نہ کہ اس کے باطن کو کیونکہ اس کی نیت اور اس کے باطن سے سوائے خدا کے کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہے)۔ لیکن اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ جس سے بھی آپ کا دل متنفر ہو اس سے دوری اختیار کرلیں اور اسے رد کر یں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے

بوشیار رہیں اور پریز کریں یا احتیاط کریں۔ یعنی جب اس سے روبرو ہو نا اور آپ کا دل اسے قبول نہ کرے تو اس کو مومن کی بوشیاری سمجھیں۔ پس اس سے پریز کرو کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کرو اور اسے پہچانو اور اس کے لئے تمہارے اندر جو منفی موقف پیدا ہوا ہے اسکے بارے میں تحقیق کرو کہ یہ بدگمانی تمہاری نفسانی کیفیت ہے یا وہ شخص واقعاً غلط کردار کا مالک ہے جو اس کے ظاہر کے ساتھ نہیں ملتا، یا؟ پس احتیاط کرنے اور اسے خود سے دور کرنے کے درمیان فرق ہے۔ مثلاً یہ قول: *إِتَّقِ شَرَّ مَنْ أَحْسَنَتْ إِلَيْهِ* جس کے ساتھ بھلائی کرو اس کے شر سے بچو۔ ممکن ہے بعض اس جملے کے معنی یہ کریں کہ انسان کو کسی کے ساتھ نیکی نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ جس کے ساتھ بھی نیکی کریں گے اس کے شر کی بازگشت ہماری طرف ہوگی۔ جب کہ اس قول کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو بطور کامل کسی کے سپرد اس بنا پر نہیں کر دینا چاہئے کہ اس کے ساتھ آپ نے نیکی کی ہے اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں نے فلاں کے ساتھ نیکی کی ہے لہذا یقین نہیں کرسکتا کہ وہ میرے ساتھ برائی کرے گا۔ کیونکہ ممکن ہے بعض لوگ احسان اور نیکی کے عوض (شکر یہ ادا کرنے کی بجائے) دل میں کینہ رکھیں اور اپنے کینے کی تسکین اور آسودگی کی خاطر نیکی کا جواب برائی سے دیں۔ *وَ طَالِمَا اسْتَعْبَدَ الْاِحْسَانَ اِنْسَانًا كَيُونَكِ اِحْسَانٍ اَوْ نِيكِي* انسانوں کو بندگی اور طاعت کے لئے آمادہ کر دیتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ: *فَاتَّقِ شَرَّهُ*، (اس کے شر سے محتاط رہو) کے معنی یہ ہیں کہ یہ بات بھی آپ کے پیش نظر رہے کہ ممکن ہے جس کے ساتھ آپ نے نیکی کی ہے وہ آپ کے ساتھ برائی کرے۔ لہذا اس کے ساتھ احتیاط کے ساتھ پیش آئیں اور خود کو پوری طرح اس کے سپرد نہ کر دیں۔

دوستوں کے درمیان اعتماد کا بحران

سوال: میں ایک جوان ہوں اور اپنے دوستوں کے درمیان اعتماد کے بحران سے دوچار ہوں۔ اپنے تجربے کی بنیاد پر میرے سامنے واضح ہے کہ میرے بعض دوست برائوں میں مبتلا ہیں اور بعض عمل میں میرے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے۔ لہذا ایسے دوستوں کے مقابل میرا فریضہ کیا ہے؟

جواب: سابقہ برے تجربات کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تا بنوز جن تجربات کا ابھی آپ نے سامنا نہیں کیا ہے ان کے نتائج کو پچھلے تجربات کے مماثل قرار دیں۔ کیونکہ ممکن ہے آپ کا اب تک جن دوستوں سے سابقہ رہا ہے ان میں وہ خصوصیات نہیں پائی جاتی ہوں جو ان میں وفاداری اور جوانمردی پیدا کریں لیکن شاید ان میں سے بہت سے دوست اچھے ہوں جن سے آپ آشنا نہ ہوں۔ آپ یکے بعد دیگرے تجربات جاری رکھیں لیکن گزشتہ تجربے سے سبق حاصل کرتے ہوئے اور اس سبق سے نئے تجربے میں استفادہ کرتے ہوئے۔ یہ تو تھا ایک نکتہ۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ممکن ہے مشکل خود آپ کی طرف سے ہو آپ کے دوستوں کی طرف سے نہ ہو آپ خود کو کیوں معصوم اور بے گناہ خیال کرتے ہیں اور دوستوں کو خطا کار؟ ممکن ہے آپ کے دوست بھی آپ کی طرف وہی نسبت دیں جو آپ ان کی طرف دے رہے ہیں اور ممکن ہے وہ کہیں کہ فلاں نے ہمارے ساتھ وفا نہیں کی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو ان کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہو یا ممکن ہے آپ ان سے ایسی چیزوں کی توقع رکھتے ہوں جن کی خود اپنے آپ سے توقع نہیں رکھتے۔ لہذا آپ کو اپنے ان تجربات کی بنیاد پر دوسروں کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ انہیں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ رہا یہ سوال کہ وہ کیوں آپ سے موافقت نہیں رکھتے تو شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ نے ان کے سامنے جو کچھ پیش کیا ہو وہ اس میں آپ کے ہمفکر و ہم خیال نہ ہوں۔

دوست کے ساتھ متفق ہونا

سوال: کیا ضروری ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کے ساتھ تمام معاملات میں اتفاق کرے؟

جواب: یہ کس نے کہا؟ کیا ہمارے کچھ دوست ایسے نہیں ہیں جنہیں ہم پسند کرتے ہیں اور وہ بھی ہمیں پسند کرتے ہیں لیکن بعض حالات میں وہ ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بقول شاعر۔ اِخْتِلَافَ الرَّأْيِ لَا يَفْسِدُ لِلوَدِّ قَضِيَّةً: اختلافِ رائے کو دوستی کے اندر مخل نہیں ہونا چاہئے۔

دوست کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں

سوال: اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ لَأَخِيرَ لَكَ فِي صُحْبَةِ مَنْ لَا يَرَى لَكَ مِثْلَ الَّذِي يَرَى لِنَفْسِهِ (ایسے شخص کی ہم نشینی سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا جو جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لئے پسند نہیں کرتا۔ بحار الانوار ج ۳۲ ص ۱۹۸)

جواب: در حقیقت دوستی کو اسی اصول پر استوار ہونا چاہئے کہ جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی اپنے دوست کے لئے بھی پسند کریں: عَامِلِ النَّاسِ يَمَا تَجِبُ أَنْ يَعَامِلُوكَ يَه (لوگوں کے ساتھ ویسے ہی پیش آئے جیسے آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ پیش آئیں)۔ اگر آپ کا دوست خود اپنے لئے کوئی چیز پسند کرے اور آپ کے لئے پسند نہ کرے یا آپ کے مقابل خود کو حقدار سمجھے لیکن اپنے اوپر آپ کا کوئی حق عائد نہ سمجھے تو یہ دوستی یک طرفہ دوستی ہے۔ جب کہ دوستی کو دوطرفہ ہونا چاہئے۔ یعنی اگر آپ اس کے لئے نیکی اور بھلائی چاہتے ہیں تو اسے بھی اسی طرح آپ کاخیر خواہ ہونا چاہئے۔ اگر آپ اس کے لئے خیر خواہ ہوں اور وہ آپ کے حق میں بھلائی نہ چاہے تو یہ دوستی نہیں بلکہ استثمار ہے، ہاں اگر آپ فدا کاری اور ایثار کرنا چاہتے ہیں تو اس کا تعلق خود آپ سے ہے لیکن اس کو دوستی نہیں کہا جاتا۔

بے نمازی کو سلام

سوال: رسول خدا سے ایک حدیث ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: لَا تُسَلِّمُوا عَلَيَّ تَارِكِ الصَّلَاةِ (بے نمازی کو سلام نہ کرو)۔ اس حدیث پر عمل کیسے ممکن ہے؟ یا پھر اس پر عمل کے لئے کچھ خاص شرائط ضروری ہیں کہ اگر یہ شرائط فراہم ہوں تو اس حدیث پر عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: اس حدیث سے مراد بے نمازی سے اس کے اس گناہ کی وجہ سے دوری اور قطع تعلق کا اعلان ہے۔ کیونکہ سلام کرنا صلح و محبت کی علامت ہے اور جس کو سلام کر رہے ہیں اس کے حق میں دعا ہے۔ نہی عن المنکر کے عنوان سے ہم پر لازم ہے کہ مسلمان بے نمازی کے اس عمل کو برا سمجھیں اور اس سے رابطہ منقطع کر لیں، لیکن اگر بعض دوسری مصلحتیں ہوں یا اسے سلام کرنا اس کے ہماری طرف کھینچ آنے کا باعث ہو گا جس سے ہم محبت اور اسکا دل تسخیر کرنے کے لئے استفادہ کر سکیں اور اسے اس کی ہدایت کے لئے استعمال کریں تو ایسے مواقع پر مسئلہ بر عکس ہوگا۔

مسلم جوانوں کے نام پیغام

سوال: اجتماعی اور عقیدتی میدانوں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں حضرت عالی کا جوانوں کے نام کیا پیغام ہے؟

جواب: سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ مسلم نوجوانوں کو اسلام کا سچا معتقد اور مومن ہونا چاہئے اور دل میں دین کا درد رکھنا چاہئے۔

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے عمیق اور ظرافتوں کا مالک دین ہے اور اس کے اندر تمام انسانوں کی اجتماعی سیاسی تربیتی معاشی ثقافتی عسکری معنوی مادی جسمانی اور روحانی ضروریات کا سامان موجود ہے۔ مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہئے اور عالمی صورت حال کو خوب سمجھنا چاہئے فرض کرنا چاہئے کہ اگر پیغمبر اسلام اس وقت ہوتے یا جس رسالت کے پیغمبر اسلام حامل تھے وہ بھی اسے محسوس کرتا ہے تو اس وقت موجودہ عالمی صورت حال کے پیش نظر اسے کیا کرنا چاہئے؟ ہم پر لازم ہے کہ سوچیں کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اسلام کی طرف کس طرح دعوت دی جاسکتی ہے؟ ہم پر لازم ہے کہ اسلام و مسلمین کو اہمیت دیں اور مسلمانوں کی فکر میں رہیں: مَنْ لَمْ يَهْتَمِ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ (جو بھی مسلمانوں کے امور کو اہمیت نہ دے مسلمان نہیں ہے۔) ہم پر لازم ہے کہ وسیع افق کے مالک ہوں اور دنیا کی نسبت جامع فکر رکھیں۔ اس وقت جب کہ دشمن کی کوشش یہ ہے کہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے ہمیں چاہئے کہ چھوٹے اور ناقابل توجہ اختلافات کو ہوا نہ دیں۔ اس طرح ہم برگزیہ کہنا نہیں چاہتے کہ جو مسائل شیعوں اور اہل تسنن کے درمیان ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں یا چھوٹے ہیں اور یہ بھی نہیں کہنا چاہتا کہ جو مسائل خود شیعوں کے اندر ہیں چھوٹے اور کم اہمیت ہیں بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ دشمن دروازے پر کھڑا ہے ہماری گھات میں ہے اور ہم پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہے۔ لہذا صحیح نہیں ہے کہ ہم چھوٹے اور جزوی اختلاف کو اچھالیں۔ ہمیں اسلام اور مسلمین کی مصلحت کو مد نظر رکھنا چاہئے ہم بہت زیادہ تجربات کے بعد اس منزل پر پہنچے ہیں کہ ہم بہت پسماندہ ہیں اور ایک چھوٹا سا مسئلہ بھی ہمارے لئے بڑی مشکل کھڑی کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم عالمی استکبار، مستکبرین اور عالمی لٹیروں کو بھول جاتے ہیں اور بہت سی چھوٹی مشکلیں خطرناک اور کمر شکن مشکلات میں تبدیل ہوجاتی ہیں اور یوں نظر آتا ہے کہ گویا ہماری کوئی مشکل ہی نہیں سوائے جزوی مشکلات کے حل کے یا سوائے ان چھوٹے اور جزوی دردوں کے علاج کے کوئی اور درد ہی ہمیں لاحق نہیں ہے۔

.....